

حضرت علی اور قصص عثمان رضی اللہ عنہما

تاریخ اسلام کے ایک شاہکار ایچ ایم اور نازک مسکے کا علمی و تحقیقی جائزہ

پیشانی

محقق العصر شیخ الحدیث مولانا محمد عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

نماش

ڈاکٹر محمد عابد الرحمن عصفور

مُؤَسَّسٌ وَمُدِيرٌ

الحَمْدُ لِلَّهِ

اے / عظم نگر پوسٹ آفس، لیاقت آباد

کراچی ۷۵۹۰۰

حضرت علی اور قصاص عثمان رضی اللہ عنہ

تاریخ اسلام کے ایک نہایت اہم اور نازک مسئلے کا علمی و تحقیقی جائزہ

تالیف

محقق العصر شیخ الحدیث مولانا محمد عبدالرشید نعمانی مدظلہ العالی



محمد عبد العظیم مظفر لطیف

مکتبہ اہل سنت و جماعت

۳۸۶- قاسم آباد- لیاقت آباد- کراچی ۷۵۹۰۰ پاکستان

فون ۴۲۱۹۸۶

پاپائے
پاکستان
پاکستان
پاکستان

اوست بدیدی
رضی اللہ عنہ
نشد محمد عبدالرشید نعمانی مدظلہ العالی

عرصہ ناشر

حَامِدًا وَ مُصَلِّيًا وَ مُسَلِّمًا

تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے ہم کو اس قابل کیا کہ اس کتاب کی اشاعت کر سکیں۔ اور لاکھوں درود و سلام اس نبی خاتم صلی اللہ علیہ وسلم پر جن کے طفیل ہمیں اسلام عطا کیا اور مسلمان بنایا۔ اس سے قبل ہم ”رد ناصبیت“ کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل کتب ناظرین کی خدمت میں پیش کر چکے ہیں : (۱) اکابر صحابہ پر بہتان (۲) شہدائے کربلا پر افتراء (۳) یزید کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں (۴) ناصبیت تحقیق کے بھیس میں (۵) یزید علماء اہل سنت و یونہی کی نظر میں۔ اہل علم اور عام حضرات نے اس کی پذیرائی کی ہے۔ ہم ان حضرات کے شکر گزار ہیں اور پراسید ہیں کہ اسی طرح اس کتاب کی بھی پذیرائی کریں گے۔ اللہ عز و جل سے بصد نیاز یہ دعا ہے کہ وہ ہماری اس کوشش کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور ”ناصبیت“ کے اس فتنے کا قلع قمع فرمائے، آمین۔ جو خاندان نبوت اور عترت رسول اکرم علیہ الصلوٰات والتسلیم سے مسلمانوں کی عقیدت کو مجروح کرنے، اور تاریخ اسلام کا حلیہ بگاڑنے کے لئے کھڑا کیا گیا ہے۔

قارئین سے بس ہماری اتنی استدعا ہے کہ جو کتاب بھی ہم شائع کریں اس کا ٹھنڈے دل سے بار بار بخور مطالعہ کر کے فیصلہ کریں کہ اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ حق ہے یا نہیں، مطالعہ کے بعد آپ کا دل خود اس امر کی گواہی دے کہ یہ حق کی دعوت ہے تو اس دعوت کو عام کرنے میں ہمارا ہاتھ بٹائیں، کتاب کو خود خریدیں، استطاعت ہو تو اس کے مزید نسخے خرید کر دوست احباب کو بے حد کریں، خاص طور پر اپنے مسجد کے خطیب اور امام صاحب کو، کاغذ و کتابت اور طباعت کے مصارف بہت بڑھ گئے ہیں۔ اس کے باوجود ہم نے کتاب کی قیمت نہایت ہی مناسب رکھی ہے تاکہ ہر آدمی اس کو خرید سکے۔

آخر میں اللہ رب العزت کی جناب میں عرض ہے کہ اپنی بارگاہ میں اس کے مصنف و ناشر اور ان کے والدین کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائے آمین ثم آمین۔

دعاؤں کا طالب : احقر مظفر لطیف عفی عنہ
ابن محمد عبد الرحیم خاطر رحمہ اللہ

۸۔ مظفر مظفر ۱۳۱۹ھ
۳۔ جون ۱۹۹۸ء

جملہ حقوق طباعت و اشاعت بحق الرحیم اکیڈمی محفوظ ہیں

(کوئی صاحب قصد طبع نہ فرمائیں ورنہ نقصان کے وہ خود مددگار بن گئے)

نام کتاب : حضرت علی رضی اللہ عنہ اور قصاص عثمان رضی اللہ عنہ

تالیف : محقق العصر شیخ الحدیث مولانا محمد عبد الرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

سرورق : حضرت شاہ نفیس الحسینی دامت برکاتہم

کتابت : مولانا عیسیٰ سربازی

ناشرین : محمد عبد العظیم مظفر لطیف، مکتبہ اہل سنت و جماعت، کراچی ۱۹

ڈاکٹر محمد عبد الرحمن غففر۔ الرحیم اکیڈمی، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

رابطہ ٹیلیفون : ۴۹۱۳۹۱۶

تاریخ اشاعت

طبع اول ربیع الاول ۱۴۱۹ھ طبع دوم ربیع الاول ۱۴۲۵ھ

تعداد : ۱۰۰۰ = قیمت : ۶۰/- روپے

ملنے کے پتے

۱۔ الرحیم اکیڈمی، کراچی ۱۹ ۲۔ مکتبہ اہل سنت و جماعت، کراچی ۱۹

۳۔ اسلامی کتب خانہ۔ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی ۴۔ درخواستی کتب خانہ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

۵۔ مکتبہ قادیان، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی ۶۔ علمی کتاب گھر۔ اردو بازار، کراچی

۸۔ مکتبہ قادیان، سید محمد سعید، اردو بازار، لاہور۔ ۷۔ مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، بلوچستان

اور تمام پاکستان کے مشہور کتب خانوں پر دستیاب ہے۔

فہرست

عنوان

مقدمہ

استفتاء

استفتاء کا جواب

حدیث قسطنطنیہ اور مغفرت یزید

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا قدس سرہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور علوم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ
عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ
أَمَّا بَعْدُ

شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی، "ازالۃ الخفاء عن خلافت الخلفاء" میں
نرماتے ہیں :

وقد صنف الطحاوی کتاباً فی امام طحاوی نے امام ابو حنیفہ اور صاحبین
عقائد ابو حنیفہ و صاحبیہ، و کے عقائد پر کتاب لکھی ہے اور امام بیہقی
البیہقی کتاباً فی عقیدۃ الشافعی!! نے امام شافعی کے عقیدہ پر

المحمد للہ یہ دونوں کتابیں اس وقت میسر پیش نظر ہیں، یہ دونوں امام
حنفی اور شافعی مذاہب کے بڑے متمدن علیہ اور ترجمان سمجھے جاتے ہیں۔ "عقائد طحاویہ"
برصغیر ہند و پاک اور سعودی مملکت میں زیر درس ہے۔ امام طحاوی نے اپنی کتاب
کی ابتداء ان الفاظ میں کی ہے :

هذا ذکر بیان عقیدۃ اہل السنۃ یہ اہل سنت و جماعت کے اس عقیدہ
والجماعۃ علی مذهب فقہاء الملتۃ کا بیان ہے جو فقہاء ملت امام ابو حنیفہ
ابی حنیفۃ النعمان بن ثابت الکوفی نعمان بن ثابت کوفی، امام ابو یوسف

ونہو عن المنکر وهو صفة
 الخلفاء الراشدین الذین
 مکنہم اللہ فی الارض وہم
 ابوبکر وعمر وعثمان وعلي
 رضی اللہ عنہم۔ وفي الدلالة
 الواضحة علی صحة امامتہم
 لاخبار اللہ تعالیٰ بانہم
 اذا مکنوا فی الارض قاموا
 بفروض اللہ علیہم، وقد
 مکنوا فی الارض فوجب
 ان یكونوا ائمة القائمین
 بأوامر اللہ مستہین
 عن نزاجرة ونواہیہ
 ولا یدخل معاویة فی
 هؤلاء لان اللہ انما
 وصف بذلك المہاجرین
 الذین اخرجوا من ديارہم
 ولس معاویة من
 المہاجرین بل ہو من
 الطلقاء (۱)

کریں تو نماز برپا کریں، زکوٰۃ ادا کریں
 نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں۔
 یہی خلفاء راشدین کی صفت رہی جن کو
 اللہ تعالیٰ نے ملک میں اقتدار عطا فرمایا۔ یہ خلفاء
 راشدین حضرات ابوبکر و عمر و عثمان و علی
 رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ اور اس آیت
 میں ان حضرات کی خلافت و امامت کے
 صحیح ہونے کی واضح دلیل موجود ہے اس لئے
 کہ حق تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ خبر دی ہے
 کہ ”یہی تو وہ لوگ ہیں کہ جب بھی ان کو زمین
 میں اقتدار دیا جائے گا تو یہ اللہ تعالیٰ کے فرائض کی
 بجا آوری میں منہمک رہیں گے، اور ان کو اقتدار
 دیا گیا جس سے قلعاً ثابت ہو گیا کہ یہی وہ ائمہ ہیں جو
 اللہ تعالیٰ کے اوامر کو برپا کرنے والے اور
 اس کی ممنوعات تو اسے سے باز رہنے
 والے ہیں۔ اور ان لوگوں میں معاویہ رضی
 داخل نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ وصف
 تو ان مہاجر حضرات کا بیان کیا ہے جو اپنے
 وطنوں سے نکالے گئے اور معاویہ تو مہاجرین
 میں نہیں بلکہ طلقاء میں ہیں۔

اب ذرا قرآن کریم کے ان الفاظ پر غور کیجئے کہ ان میں حضرات مہاجرین
 کی منقبت ہے اور ان کے ائمہ خلفاء راشدین کی مقبولیت و حقانیت کی کسی
 واضح دلیل ہے۔

” طلقاء ” طلیق کی جمع ہے، ” طلیق ” اس قیدی کو کہتے ہیں جس کو رہا
 کر دیا جائے۔ یہاں فعلیل بمعنی مفعول ہے۔ غزوہ حنین کی حدیث میں جو
 یہ آتا ہے کہ

خرج ومعه الطلقاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اس غزوہ میں

تشریف لے گئے تو طلقاء آپ کے ہمراہ تھے

اس میں ” طلقاء ” کا تعارف لغت کے مشہور امام علامہ ابو الفضل جمال الدین
 محمد بن مکرم نے جو ابن منظور کے نام سے مشہور ہیں، ان الفاظ میں کیا ہے :

هم الذین خلی عنہم یہ وہی لوگ ہیں جن کو فتح مکہ کے دن
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑ دیا تھا

(اور ان سے کوئی باز پرس نہیں کی تھی)

اور ثعلب جو لغت و عربیت کے مشہور اکابر ائمہ میں سے ہیں، فرماتے ہیں :

والطلاق الذین اُدخلوا اور ” طلقاء ” وہ لوگ ہیں جو ناچاری

فی الاسلام کرھا (۱) کو اسلام میں داخل کر لیے گئے۔

یعنی ابھی اسلام ان کے دل میں رچا بسا نہ تھا۔

فتح مکہ کے وقت حضرت معاویہ بے شک طلقاء اور مؤلفۃ القلوب ہی
 میں تھے لیکن بعد کو سچے پکے مسلمان ہو گئے تھے۔ یہ اگرچہ خلفاء راشدین

(۱) ملاحظہ ہو لسان العرب، اور تاج العروس شرح قاموس، مادہ ” طلق ”

میں داخل نہیں اور نیز اہل سنت اس کے قائل ہیں، اس لئے کہ یہ سعادت ان ہاجرین کے لئے مخصوص تھی جو اپنے وطن سے نکلے گئے۔ اور حضرت معاویہ اس شرف سے محروم تھے۔ مگر ان آیات کریمہ کو سامنے رکھ کر ذرا وہ لوگ بھی ٹھٹھے سے غور کریں جو خلفاء ثلاثہ حضرات ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اپنے مطاعن کا نشانہ بناتے ہیں اور تاریخ میں "روافض" کے نام سے مشہور ہیں یا حضرات ختنین عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر طعن کرتے ہیں اور "خوارج" کہلاتے ہیں، یا صرف حضرت مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے بغض رکھتے ہیں اور "نواصب" کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ نیز موجودہ دور کے وہ لوگ بھی جو امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا حضرت مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں کہ وہ کس مقام پر ہیں حالانکہ حق تعالیٰ شانہ نے ان چاروں بزرگوں کا کردار یہ بتایا کہ یہ

"وہ لوگ ہیں کہ ہم جب ان کو اقتدار عطا کریں تو نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں، نیکی کا حکم دیں اور بُرائی سے منع کریں۔" اور پھر اس پیشین گوئی کے مطابق جب اللہ تعالیٰ کا فرمایا ہوا پورا ہو کر رہا اور ان ہی ہاجرین میں سے چار حضرات کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر اقتدار بخشا، تو ان چاروں بزرگوں نے اللہ تعالیٰ کی ان پر ہزاروں رحمتیں نازل ہوں۔ ویسا ہی کر کے بتایا جیسا اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرما دیا تھا۔ ان حضرات کی خلافت قرآن و اسلام کی حقانیت کی کھلی دلیل ہے۔ اب جو بد بخت ان حضرات کی خلافت میں کیڑے نکالتے ہیں وہ کیا اللہ تعالیٰ اور قرآن کی تکذیب نہیں کرتے؟ یاد رہے ان ہی چاروں بزرگوں کی خلافت "خلافت علی منہاج النبوت" تھی، جس کی مدت حدیث صحیح میں تیس سال بیان کی گئی ہے۔ اور احادیث

صحیحہ میں ان کے عہد خلافت کو "خلافت و رحمت" کا عہد بتایا ہے۔ لہذا ان حضرات کے عہد خلافت پر طعن کرنا اپنا نامہ اعمال سیاہ کرنا ہے۔ چنانچہ آگے چل کر یہی امام ابوبکر جتنا ص سورۃ نور کی آیت کریمہ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ کے تحت فرماتے ہیں:

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے صحیح ہونے کی دلیل ہے کیونکہ حق سبحانہ نے یہ وعدہ ان متعین بزرگوں میں منحصر کر دیا جن کے بارے میں ارشاد ہے (تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے عمل کیے ان کو ضرور زمین میں حاکم بنا دیگا) پھر یہ خبر اسی طرح پوری ہو کر رہی جس طرح ان کے بارے میں اطلاع دی گئی تھی۔

نیز اس آیت میں چاروں خلفاء کی امامت کے صحیح ہونے کی بھی دلیل ہے کیونکہ اللہ عز و جل نے ان کو ملک میں حاکم بنایا اور اپنے وعدہ کے مطابق ان کو اقتدار نصیب کیا۔ البتہ معاویہ ان میں داخل نہیں

کیونکہ وہ اس وقت (جب یہ آیت اتری)

مشرف بایمان ہی نہیں ہوئے تھے

امام جصاصؒ کے بعد بعینہ یہی بات امام ابو بکر احمد بن حنبلؒ بہیقی المتوفی ۲۵۵ھ نے اپنی کتاب "الاعتقاد علی مذہب السلف اہل السنۃ والجماعۃ" میں کہی ہے۔ فرماتے ہیں :

وقد دل کتاب اللہ عز و جل علی امامۃ ابی بکر ومن بعده من الخلفاء قال اللہ عز و جل وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اَسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِیْ ارْتَضٰ

وقال : الَّذِیْنَ اِنْ مَلَکْتَهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوْا الزَّکٰوةَ وَآمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ - فَلَمَّا وَجَدَتْ هَذِهِ الصِّفَةُ مِنَ الْاِسْتِخْلَافِ وَالتَّمْکِیْنِ فِیْ اَمْرٍ ابی بکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی امارت میں پائی گئی

خلافتہم حق (۱) تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان حضرات کی خلافت حق ہے۔

بہر حال یہ چاروں حضرات وہ ہیں جن کی خلافت، خلافت نبوت ہے اور اس بارے میں اہل سنت میں کوئی اختلاف نہیں۔ اور ان میں باہم فضیلت میں بھی وہی ترتیب ہے جس ترتیب سے یہ حضرات خلافت پر فائز ہوئے ہیں اور اس اعتبار سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد امت میں سب سے افضل ہیں اور وہ ان حضرات کے بعد سب زیادہ خلافت کے حقدار تھے۔ حافظ ابن تیمیہ "منہاج السنۃ" میں لکھتے ہیں

وعلیّ احق الناس بالخلافة حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے عہد خلافت فی زمانہ بلا ریب عند میں سب لوگوں سے زیادہ خلافت کے احد من العلماء (۲) مستحق تھے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کے تسلیم کرنے میں کسی ایک عالم کو بھی شک نہیں ہے۔

اسی لئے امام احمد اور دیگر اکابر علماء کا قول ہے کہ

من لم یرتبع بعلی فی الخلافة جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چھوٹھا فہو اضل من حمار اہلہ (۳) خلیفہ نہ مانے وہ اپنے گھر کے گدھے سے زیادہ گم کردہ راہ ہے۔

اور امام ممدوح ہی کا ارشاد ہے :

ان الخلافة لم تنزق علیاً خلافت نے حضرت علی کو زینت نہیں دی

(۱) ص ۱۴۳ طبع مصر ۱۳۵۹ھ (۲ و ۳) ملاحظہ ہو "منہاج السنۃ النبویہ فی نقض کلام الشیعۃ والقدرة" ج ۲ ص ۲۰۸ طبع امیرہ بولاق مصر ۱۳۲۲ھ

بیل علی نہ تھا۔ (۱) بلکہ حضرت علی نے خلافت کو زینت بخشی ہے، کرم اللہ وجہہ۔

اور حافظ جلال الدین سیوطی "تاریخ الخلفاء" میں ناقل ہیں :

واخرج البيهقي وابن

عساكر عن ابراهيم بن سويد

الارمني قال : قلت لأحمد

بن حنبل : من الخلفاء ؟

قال : ابو بكر وعمر ، و

عثمان ، وعلي . قلت : ومعاوية ؟

قال : لعين احق بالخلافة

في زمان علي من علي . (۲) زیادہ کوئی اس کا مستحق نہیں تھا۔

حضرت علی اور حضرت معاویہ کے بارے میں امام احمد بن حنبل کی جو رائے

آپ نے معلوم کی اس کی مزید تفصیل آپ کو اس رطیت میں ملے گی جس کو

حافظ ابن حجر عسقلانی نے نقل کیا ہے کہ :

اخرج ابن الجوزي من طريق

عبد الله بن احمد بن حنبل

سألت أبي ماثقول في علي و

معاوية ؟ فاطرق ، ثم قال :

بارے میں دریافت کیا کہ ان دونوں کے

(۱) تاریخ بغداد ، از حافظ ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی ج ۱ ص ۱۳۵ طبع بیروت

(۲) تاریخ الخلفاء ص ۱۹۹ شائع کردہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی

اعلم ان عليا كان كثير

الأعداء ففتش أعداءه

له عيبا فلم يجدوا فعندوا

الى رجل قد حارب به

فأطروه کیا دا منهم

لعلي . (۱)

آپ سے جنگ کی اس کو حد سے بڑھانے

چڑھانے لگے ۔

امام محمود نے دشمنان علی کے جس کید کی نشاندہی کی ہے یہی

"فتنة ناصبيت" ہے جس کے ذکر سے رجال کی کتابیں بھری پڑی ہیں، نہایت

انسوس کہنا پڑتا ہے کہ یہ فتنہ خوابیدہ اس دور میں پھر بیدار ہو چلا ہے۔

حدیث میں آتا ہے :

الفتنة نائمة لعن الله من

يقظها . (۲)

جس طرح حضرات شیخین حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما

کے مقابل حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو لانا اور ان حضرات پر ان کو فضیلت دینا

اہل سنت کے نزدیک بدعت مذمومہ ہے جس کو "تشیع" کہا جاتا ہے،

اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابل حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کو کھڑا کرنا ان کے تعریفوں کے گن گانا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ان کو

(۱) فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۸۱ طبع امیرہ بولاق مصر ۱۳۰۱ھ اسی رد

کو حافظ سیوطی نے "تاریخ الخلفاء" میں حافظ مہنفی کی "طبوریات" کے حوالے سے

نقل کیا ہے (ص ۱۹۹) (۲) رواہ الرافعی فی المالک۔ ملاحظہ ہو "کشف الخفاء و مزیل

الالباس" ج ۲ ص ۱۰۸ طبع بیروت ۱۴۰۲ھ

فضیلت دینا "تشیع" سے زیادہ بُری بدعت ہے (۱) جس کو ناصبیت کہا جاتا ہے۔

افسوس ہے کہ اب سنیوں کی نئی نسل میں عربی مدارس کے نوخیز لڑکے اس فتنہ کا شکار ہو رہے ہیں جس کی سب سے بڑی وجہ ان کی علمی استعداد کی نا پختگی ہے۔ نہ فقہ سے ان کو کما حقہ واقفیت حاصل ہوتی ہے، نہ حدیث سے، نہ علم کلام سے نہ تاریخ سے۔ اردو میں جو کوئی دین بیزارہ، اس فتنہ کو ذرا بنا سنوار کر پیش کر دیتا ہے بس یہ اس کے ہو جاتے ہیں۔ اب ان لوگوں کی جرأت یہاں تک بڑھ گئی ہے کہ یہ ناصبی، اہل علم کے منہ آتے ہیں۔ چند سال پہلے ایک صاحب نے یزید علیہ ما علیہ کے متعلق بارہ سوال نقل کر کے مدرسہ عربیہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کے دارالافتاء میں بھیجے تھے جن کے جوابات ہم نے نہایت تفصیل سے اپنی کتاب "یزید کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں" قلمبند کر دیے ہیں۔ یہ کتاب بار بار چھپ چکی ہے۔ اب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بار میں چند شبہات پیش کیے گئے ہیں جن کے جواب میں پیش نظر رسالہ تحریر کیا گیا ہے۔ ناظرین اس تحریر کو ذرا غور اور توجہ سے ملاحظہ فرمائیں۔ مجھے فرصت کم ملتی ہے، بوڑھا ہو چکا، عمر اسی سے متجاوز ہے، درس کی ذمہ داری الگ ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بدعت کا قلع قمع کرنے کے لیے اپنے کسی اور بندہ کو کھڑا کرے اور عام مسلمانوں کو اس فتنہ کی آفت سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

سب سے اول یہ امر غور طلب ہے کہ اسلام میں فرق مراتب کا بڑا لحاظ رکھا گیا ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے ع اگر فرق مراتب نہ کنی زندیقی۔ امام مسلمؒ اپنی

(۱) "رفض" سے نہیں کہ وہ سب صحابہ پر مشتمل ہے جو کفار کا شیوہ ہے

"صحیح" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں :

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا ہم کو رسول اللہ ﷺ تعالیٰ وسلم ان نزل الناس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ ہم لوگوں کو اپنے مرتبہ پر رکھیں۔

یعنی ہر ایک کے مرتبہ کا اس کی حیثیت کے مطابق لحاظ رکھا جائے۔ اور امام بخاریؒ نے "الجامع الصحیح" کی کتاب التفسیر میں سورۃ الاعراف میں حسب ذیل روایت کی ہے۔

ابو ادريس الخولاني قال : سمعت ابا الدرداء يقول كانت بين ابى بكر وعمر محاوره فاعترض ابو بكر عمر فانصرف عنه عمر مغضبا فاتبه ابو بكر يسئله ان يستغفر له فلم يفعل حتى اغلق بابيه فوجهه ، فاقبل ابو بكر الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال ابو الدرداء ونحن عنده فقال ابو ادريس خولاني بيان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا فرماتے تھے حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مابین کچھ گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی بات پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غصہ دلایا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے غصہ ہو کر چل پڑے اس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پیچھے پیچھے ہوئے اور درخواست کرنے لگے کہ وہ ان کے حق میں استغفار کریں لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا نہ کیا حتیٰ کہ ان کے سامنے آنے پر اپنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دروازہ بھی بند کر دیا۔ اب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ کیا حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ہم اس وقت خدمت نبوی میں حاضر تھے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (ان کو آتے دیکھا تو) فرمایا تمہارے ان صاحب کا کسی سے جھگڑا ہو گیا ہے ابودرداء کا بیان ہے کہ (ادھر) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اپنے اس طرز عمل پر مذمت ہوئی تو فوراً دربار نبوی میں حاضر ہوئے اور سلام کر کے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک جانب بیٹھ گئے اور حضور علیہ السلام کو صورت واقعہ عرض کی۔ حضرت ابودرداء کا بیان ہے (یہ سن کر) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت غصہ ہو گئے حالانکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ برابر عرض کرتے جاتے تھے یا رسول اللہ قسم بخدا میں نے ہی زیادہ بیجا کہا۔ تاہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرماتے رہے کیا تم میرے لئے میرے دوست کو چھوڑ سکتے ہو؟ (یاد کرو اس وقت کو جب) میں نے کہا تھا اے لوگو یقیناً میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور تم نے کہا تو جھوٹ کہتا ہے اور ابوبکر نے کہا آپ سچ فرماتے ہیں۔

اور یہی روایت امام بخاری نے اپنی "صحیح" میں دوسری جگہ "کتاب المناقب" میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل کو بیان کرتے ہوئے ان الفاظ میں نقل کی ہے :

عن ابی الدرداء قال كنت جالساً عند النبي صلى الله عليه وسلم اذ اقبل ابوبكر اخذاً بطرف ثوبه حتى ابدى عن ركبته فقال النبي صلى الله عليه وسلم واما صاحبكم فقد غامر فسلم وقال اني كان بيني وبين عمر بن الخطاب شيء فاسرعت اليه ثم ندمت فسالته ان يغفر لي فاجبني علي ذلك فاقبلت اليك فقال يغفر الله لك يا ابا بكر ثلثاً ثم ات عمر نداماً فاتي منزل ابى بكر فسأل اثناً ابوبكر قالوا لا فاتي النبي صلى الله عليه وسلم

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں سامنے سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نمودار ہوئے، وہ اپنے کپڑے کا ایک کنارہ اس طرح اٹھائے ہوئے تھا جس سے ان کا ایک گھٹنہ بھی ظاہر ہو رہا تھا (یہ دیکھ کر) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے ان صاحب کا تو کسی سے جھگڑا ہو گیا ہے اتنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آکر سلام کیا اور عرض کیا کہ میرے اور عمر بن خطاب کے درمیان کچھ بات ہو گئی اور میں نے ان سے کچھ تیز گفتگو کی پھر مجھے اس پر مذمت ہوئی تو میں نے ان سے درخواست کی کہ مجھے معاف کر دیں مگر انھوں نے صاف انکار کر دیا اب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں آپ نے فرمایا اے ابوبکر اللہ تعالیٰ تم کو معاف فرمائے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہی الفاظ میں

فجعل وجه النبي صلى الله عليه وسلم يتمر حتى اشفق ابوبكر فجلسا على كبتيه فقال يا رسول الله والله انا كنت اظلم فقال النبي صلى الله عليه وسلم ان الله بعثني اليكم فقلتم كذبت وقال ابوبكر صدق وواساني بنفسه وماله فهل انتم تاركون لي صاحبي مرتين فما اودى بعدها.

تین مرتبہ فرمائی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی (اس پر) ندامت ہوئی تو انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر جا کر دریافت کیا کیا یہاں ابوبکر ہیں؟ اہل خانہ نے بتایا نہیں۔ پھر وہ بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے (ان کو دیکھ کر) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ انور متغیر ہونے لگا تا آنکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اندیشہ ہوا اور اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر عرض کرنے لگے یا رسول اللہ قسم بخدا زیادتی میری ہی تھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل نے مجھے تمہاری طرف مبعوث فرمایا تو تم سب کہنے لگے تو جھوٹا ہے، اور ابوبکر نے کہا آپ سچے ہیں اور اپنی جان اور مال سے میری خبر گیری کی تو کیا اب تم میرے دوست کو میری وجہ سے (ستلنے سے) چھوڑ سکتے ہو؟ یہ آپ نے دوبار ارشاد فرمایا اس واقعہ کے بعد پھر بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اذیت نہیں دی گئی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اُمت میں جو مقام ہے وہ ذہن میں رکھیے اور پھر غور کیجئے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جلالت شان کے پیش نظر اس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے ذرا سا فرق آیا تو (حالانکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قسم کھا کر کہتے جاتے ہیں کہ زیادتی مجھ سے ہی ہوئی ہے مگر) بارگاہ رسالت علی

صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب سے کسی سخت سرزنش حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی ہستی کو ہوتی ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح اس وصف خاص میں ممتاز ہیں کہ ان کا شمار ان معدودے چند افراد میں ہے جنہوں نے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا اور شرف بایمان ہوئے۔ امام جلال الدین سیوطی "تاریخ الخلفاء" میں رقمطراز ہیں:

و جمع بین الأقوال بات ان تمام اقوال میں (جو اس بارے میں منقول ابابکر اول من أسلم ہیں کہ سب سے پہلے کون مشرف باسلام ہوا)۔ من الرجال، و علی اول اس طرح تطبیق دی گئی ہے کہ مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ و خدیجہ اول من أسلمت من النساء۔ و اول من ذکر هذا الجمع الامام ابو حنیفہ رحمہ اللہ۔ میں سب سے پہلے حضرت ام المومنین خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ اور سب سے پہلے یہ تطبیق جس نے بیان کی وہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔

(ص ۱۳)

اب سوچئے جو لوگ فتح مکہ میں ایمان لائے وہ جناب مرتضوی کے مقابل کس طرح لائے جاسکتے ہیں؟ اسی طرح حضرت خالد سیف اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جلالت شان سے کون مسلمان ناواقف ہے مگر ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں ان سے کچھ گستاخی ہو گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں

جوارشاد فرمایا۔ وہ ”صحیح مسلم“ میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی
زبانی بابین الفاظ مروی ہے :

کان بین خالد بن الولید و بین
 حضرت خالد بن الولید و بین
 عبد الرحمن بن عوف شئی فسیہ
 عوف رضی اللہ عنہما کے آپس میں کوئی بات
 خالد فقال رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم لا تستبوا احدا من
 اصحابی فان احداکم لو افق
 مثل احد ذهباً ما ادرك
 مئة احدہم ولا نصیفہ^(۱)
 حضرت خالد بن ولید اور حضرت عبد الرحمن بن
 عوف رضی اللہ عنہما کے آپس میں کوئی بات
 نہ ہو گئی اور خالد نے آپ کو برا بھلا کہا اس پر حضرت
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے کسی صحابی
 کو برا نہ کہو کیونکہ تم میں سے اگر کوئی شخص کوہ
 احد کے برابر بھی سونا خرچ کرے تو وہ ان میں سے
 کسی صحابی کے ایک مدد بلکہ آدھے مدد (غلہ) کو بھی

نہیں پاسکتا۔ iskysoft
فی اللہ تعالیٰ عنہ سابقین اولین میں ہیں اور ان

یاد رہے حضرت عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سابقین اولین میں ہیں اور ان کا شمار عشرہ مبشرہ یعنی ان دس حضرات میں ہے جن کو جیتے جی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنت کی خوش خبری دیدی تھی۔ کسی فارسی شاعر نے ان دس حضرات کے اسماء گرامی کو حسب ذیل قطعہ میں درج کر دیا ہے۔

ده یار بہشتی از قطعی ابو بکر و عمر، عثمان و علی
 طلحہ بہت و زبیر و عبد الرحمن سعد است و سعید و ابو عبیدہ
 یعنی دس اصحاب قطعی بہشتی ہیں (۱) ابو بکر (۲) عمر (۳) عثمان (۴) علی
 (۵) طلحہ (۶) زبیر (۷) عبد الرحمن بن عوف (۸) سعد بن ابی وقاص (۹) سعید بن
 زید اور (۱۰) ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین .

”مُدّ“ (میم پر پیش اور دال پر تشدید کے ساتھ) ایک پیمانہ کا نام ہے جس میں غلہ بھر کر دیا کرتے تھے۔ اور اسی سے صدقہ فطر وغیرہ ادا کیا کرتے تھے۔ اس کا

وزن دورطل ہے۔ اور امام احمد کی کتاب "فضائل الصحابہ" میں اس روایت کے یہ الفاظ ہیں۔

عن عامر قال شكَا عبد الرحمن بن عوف وخالدين الوليد الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال رسول الله صلى الله عليه عليه و ما يا خالدا مالك وما لرجل من المهاجرين لو انفقت مثل أحد ذهبا لم

ندرك عمله (۱)

صحیح بخاری، صحیح مسلم اور امام احمد کی ان روایات کو سامنے رکھ کر آپ خود فیصلہ کیجئے کہ کہاں حضرت مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور کہاں جناب معاویہ رضی اللہ عنہ۔ ان دونوں کے مرتبوں میں تو زمین و آسمان کا فرق ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے "تقریب التہذیب" میں تصریح کی ہے :

علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم
عبدالمطلب بن ہاشم المعاشمی
ابن عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم، وزوج ابنتہ، من
السابقین الاولین، ورجح جمع
انہ اول من اسلم، وهو
احد العشرة، مات فی
رمضان سنة اربعین،

وہو یومئذ افضل رفات ہوئی، تمام اہل سنت کا اس پر اجماع
الاحیاء من بنی ادم ہے کہ اپنے عہد خلافت میں روئے زمین پر
بالارض باجماع اہل جتنے بھی انسان موجود تھے آپ ان سے افضل
السنة وله ثلث و تھے۔ راجح قول کے مطابق آپ کی عمر شریف تریسٹھ
ستون علی الاربع ع۔ سال کی ہوئی۔

صحاح ستہ کی تمام کتابوں میں آپ کی حدیثیں موجود ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ باتفاق امت فضیلت میں حضرت عبدالرحمن بن عوف
رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ،
حضرت خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درجہ و منزلت میں کہیں پیچھے ہیں۔
با ایں ہمہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں حافظ ابن کثیر نے
"البرایۃ والنہایہ" میں حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ سے جواباً
اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے تلامذہ میں بڑے امام محدث، فقیہ، زاہد اور
مجتہد گزرے ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جلالت شان کے بارے
میں نقل کیا ہے کہ جناب مدوح سے جب ایک باریہ سوال کیا گیا کہ

ایکھما افضل؟ ہوا و عمر بن ان دونوں حضرات میں کون صاحب افضل ہیں
عبدالعزیز؟ فقال لتراب فی حضرت معاویہ یا حضرت عمر بن عبدالعزیز
منخری معاویۃ مع رسول اللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) تو آپ نے فرمایا یقیناً
صلی اللہ علیہ وسلم خیر جو خاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں تھی
وافضل من عمر بن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دونوں تھنوں میں
عبدالعزیز (۱)

سے کہیں بہتر اور افضل ہے۔

یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ بزرگ ہیں جن کو قرن اول
کا مجدد مانا جاتا ہے۔ اور جن کے بارے میں حافظ ابن تیمیہ تصریح کی ہے کہ
وعدل عمر بن عبدالعزیز حضرت عمر بن عبدالعزیز کا عدل حضرت
اظهر من عدل معاویۃ معاویہ کے عدل سے زیادہ آشکار ہے۔
وہو ازہد من معاویۃ اور وہ معاویہ سے زہد میں کہیں بڑھے ہوئے
تھے (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

یہ بھی واضح رہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا شمار اہل سنت
کے نزدیک خلفائے راشدین میں ہے۔ مؤرخ اسلام حافظ ذہبی
"سیر اعلام النبلاء" میں ان کے تذکرہ میں فرماتے ہیں :
"وکان من أئمة الاجتهاد، ومن الخلفاء الراشدين"

اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں حافظ ابن کثیر
نے اپنی مشہور کتاب "البدایہ والنہایہ" میں لکھا ہے کہ
والسنة ان يقال لمعاویۃ اور سنت یہ ہے کہ معاویہ کو بادشاہ ہی کہا
ملك، ولا يقال له خليفة جائے ان کو خلیفہ نہ کہا جائے کیونکہ حضرت
لحدیث سفینۃ "الخلافة" سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں آتا
بعدی ثلاثون سنة ثم ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا
تكون ملكاً عضوضاً (۲) "میرے بعد تیس سال تک تو خلافت
رہے گی اور پھر کاٹ کھانے والی بادشاہت
ہو جائے گی"

(۱) منہاج السنۃ ج ۳ ص ۱۸۳ طبع اول بولاق مصر ۱۲۲ھ

(۲) ج ۸ ص ۱۳۴ و ۱۳۸ - طبع دارالکتب العلمیہ بیروت۔

اور یہی بات شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مشکوٰۃ کی مشہور شرح "اشعۃ المصاب" میں حدیث دوازده خلفاء کی شرح کرتے ہوئے لکھی ہے، فرماتے ہیں :

ونیز در حدیث صحیح آمدہ کہ الخلافۃ اور حدیث صحیح میں بھی آیا ہے کہ "میرے بعد بعدی ثلاثون سنة تغیر یدیر خلافت تیس برس تک رہے گی پھر کاٹ ملگا عضو صفا۔

اتفاق کردہ اند علماء برآنکہ بعد از اور علماء نے اتفاق کیا ہے کہ تیس سال سی سال خلفاء نیستند بلکہ ملوک کے بعد خلفاء نہیں بلکہ بادشاہ اور امراء و امراء اند۔ (۱)

یاد رہے اس حدیث میں جس خلافت کا ذکر آیا ہے وہ "خلافت کبریٰ" ہے جو "خلافت نبوت" کہلاتی ہے۔ ورنہ مجازاً تو عام فرمانروائی کو بھی خلفاء کہہ دیا کرتے ہیں۔ جیسے خلفاء امویہ اور خلفاء عباسیہ بلکہ ہندوستان کے بادشاہوں کو بھی خلیفہ لکھ دیا کرتے تھے۔

حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ اور جناب معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باہمی موازنہ میں یہ جہالت تو نہیں کر سکتے کہ جس طرح عبد اللہ بن مبارک نے حضرت عمر بن عبد العزیز کے متعلق اظہار خیال کیا ہے اسی طرح ہم بھی حضرت معاویہ کے متعلق کہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ابن مبارک کی اگر یہ بات صحیح ہے تو پھر بلا مبالغہ یزید بن معاویہ اور اس کے ان اعوان و انصار کے متعلق جو اس کے مظالم و جرائم میں شریک رہے ہیں بغیر کسی شبہ کے کہا جاسکتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ پیشاب جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اطہر سے مس ہوا ان کے وجود سے کہیں بہتر اور افضل ہے۔ کہ وہ جو انان جنت کے سردار ہیں اور یہ خبیث لعنت کے مستحق۔

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہی عرض کیا جاسکتا ہے جو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو عتاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ "خالد اگر تم کوہ احد کے برابر سونا راہ خدا میں خرچ کرو تو عبد الرحمن بن عوف کے ایک مدغلہ بلکہ آدھے مد کے برابر بھی نہیں ہو سکتا" اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوئی بڑا سے بڑا عمل بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چھوٹے سے چھوٹے عمل کے پاسنگ بھی نہیں ہو سکتا۔ یاد رکھیے! حضرت علی کرم اللہ وجہہ با اتفاق امت خلیفہ راشد ہیں۔

چنانچہ امام ابو بکر احمد بن علی جصاص "احکام القرآن" باب قتال اہل البغی، میں فرماتے ہیں :

قاتل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باغی جماعت سے بزور شمشیر قتال فرمایا
ومعه من کبراء الصحابة آپ کے ساتھ ایسے ایسے اکابر صحابہ اور اہل بیت تھے کہ جن کی منزلت معلوم ہے۔ اور آپ ان مکانھم، وکان محققاً فی باغیوں سے قتال کرنے میں حق پر تھے، اور
قتالہ لھم لم یخالف فیہ اس مسئلہ میں سوائے اس باغی جماعت اور ان کے پیروؤں کے کہ جو آپ سے بڑے تھے کوئی ایک شخص بھی آپ کے خلاف نہ تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو فرمادیا کہ "تم کو باغی جماعت قتل کرے گی" یہ اتنی مقبول حدیث ہے کہ جو بطریق تواتر
وهذا خیر مقبول من طریق التواتر حتی ان معاویۃ وارد ہے حتی کہ خود معاویہ بھی جب ان کو

لم یقدر علی جحدہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ
 لما قال له عبد اللہ بن عمرو، حدیث بیان کی تو اس کا انکار نہ کر کے بلکہ
 فقال اما قتله من جاء یوں بات بنائی کہ (ہم نے ان کو تھوڑی قتل کیا
 یہ فطرحة بین استتنا ہے بلکہ) ان کو تو اس نے قتل کیا ہے جس نے
 رواہ اهل الكوفة واهل عمار کو لا کر ہماری سنانوں کے درمیان ڈال
 البصرة واهل الحجاز واهل دیا۔ (۲)
 الشام، وهو علم من اعلام یہ وہ حدیث ہے جس کو اہل کوفہ، اہل بصرہ
 النبوة لانه خبر من غیب اہل حجاز اور اہل شام نے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث
 لا یعلم الا من جهة علام نبوت کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے، کیونکہ
 الغیوب۔ (۱) یہ غیب کی خبر ہے جس کا علم، علام الغیوب کے

امام جصاص نے جو کچھ فرمایا وہی امام بیہقی فرماتے ہیں کہ :

وأما خروج من خرج علی اور جس نے بھی اہل شام کے ساتھ مل کر
 أمیر المؤمنین رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصاص طلب
 مع اهل الشام فی طلب دم کرنے کے لئے حضرت امیر المؤمنین (علی)
 عثمان ثم منازعته ایلہ فالامارة پر خروج کیا۔ اور پھر آپ کے امارت کے باب

(۱) ج ۳ ص ۲۹۲ طبع مصر ۱۳۳۵ھ

(۲) حضرت مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے سامنے ایسی پوچھ تاویل کی کیا وقعت ہو سکتی تھی۔
 آپ نے جب یہ سنا تو فرمایا اچھا تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 کے قاتل خود حضرت رسالت مآب پھیرے۔ صلی اللہ علیہ وسلم

فانه غیر مصیب فیما فعل میں نزاع کی تو وہ اپنے اس فعل میں برسرِ خطا
 واستدل لنا ببراءة علی من تھا۔ اور قتل عثمان سے حضرت علی کی برائت
 قتل عثمان بما جرى له من کے باب میں ہمارا استدلال یہ ہے کہ آپ نے
 البيعة و لما كانت له من حضرت عثمان سے بیعت کر لی تھی اور اسلام
 السابقة في الاسلام والهجرة اور جہاد فی سبیل اللہ کے باب میں آپ
 والجهد في سبيل الله و سوا بق کے حامل ہیں آپ کے فضائل اور مناقب
 الفضائل الكثيرة والمناقب بہت ہیں جو اہل علم کو معلوم ہیں۔
 الحجّة التي هي معلومة جس شخص نے بھی آپ کے خلاف
 عند أهل المعرفة . خروج کیا اور آپ سے نزاع کی وہ باغی

ان الذي خرج عليه ہے۔ بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
 ونازعه كان باغياً عليه حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 وكانت رسول الله صلى الله کو پہلے ہی خبر دیدی تھی کہ ”باغی جماعت
 عليه وسلم قد أخبر عمار ان کو قتل کرے گی“ چنانچہ جنگ صفین
 بن ياسر بأن الفتنة الباغية میں جن لوگوں نے حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ
 تقتله فقتله هؤلاء الذين تعالٰی عنہ کے خلاف خروج کیا تھا۔ انہوں نے
 خرجوا على أمير المؤمنين حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا۔
 على رضي الله عنه في حرب

صفین (۱)

اور اس کے بعد حدیث کے مشہور امام ابن خزیمہ سے بسند ناقل ہیں کہ
 خیر الناس بعد رسول الله رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں
 صلی اللہ علیہ وسلم وأولاهم سب سے زیادہ بزرگ اور خلافت کے لئے سب سے

(۱) ملاحظہ ہو ”الاعتقاد علی مذهب السلف اهل السنة والجماعة“ از امام بیہقی

ص ۱۹۶ طبع مصر ۱۳۴۹ھ

بالخلافة ابو بكر الصديق
ثم عمر و الفاروق ثم عثمان ذى النورين
ثم علي بن ابي طالب رحمه الله و
رضوا عنه عليهم اجمعين .

قال وكل من نازع امير
المؤمنين علي بن ابي طالب في
امارتة فهو باغ . علي هذا
عهدت مشايخنا . و به قال
ابن ادريس الشافعي رحمه الله .

قال الشيخ ثم لم يخرج من
خرج عليه من الاسلام (۱)

امام حاكم نيشاپوری نے اپنی مشہور کتاب "معرفۃ علوم الحدیث" میں علم حدیث
کی تیسویں نوع میں جس میں احادیث مشہورہ کا بیان ہے . حدیث تقتل عماراً
الغثة الباغية کو ان مشہور احادیث میں شمار کیا ہے جن کی "صحیحین" میں
تخریج کی گئی ہے .

یہ عقیدہ صرف امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا نہیں بلکہ تمام اہل السنۃ والجماعۃ
کا ہے . جس کا ذکر کتاب میں ہو چکا ہے .

اب ہم اس سلسلہ میں فقہ حنفی کے چند مشہور جلیل القدر علماء کرام کی تصریحات
پیش کرتے ہیں . ملاحظہ فرمائیے :

(۱) الاعتقاد علی مذهب السلف اہل السنۃ والجماعۃ از امام بیہقی ص ۱۹۶ و ۱۹۷

علامہ صدر الشہید حسام الدین عمر بن عبد العزیز بن عمر بن مازہ المتوفی ۲۶ھ
(جو صاحب "ہدایہ" کے استاد ہیں اور جن کے بارے میں علامہ محمود بن سلیمان کفوی
نے طبقات الحنفیہ میں تصریح کی ہے کہ "کان من کبار الائمة واعیان الفقہاء")
(وہ بڑے ائمہ اور زبردست فقہاء میں تھے) اپنی کتاب "شرح اوقاضی للخصا"
میں زیر عنوان "بیان من یجوز تقلد القضاء منه" یعنی کس فرمانروا سے عہدہ
قضاء قبول کرنا جائز ہے، فرماتے ہیں :

واما بیان من یجوز تقلد اور اس بات کا بیان کہ کس فرمانروا سے عہدہ قضا قبول
القضاء منه ، فیجوز تقلد کرنا جائز ہے ، یہ ہے کہ سلطان عادل ہو یا غیر عادل
القضاء من السلطان العادل (جو کر کرنے والا) دونوں سے عہدہ قضا قبول کرنا
والجائز جمیعاً . جائز ہے .

اما العادل فان النبی
صلی اللہ علیہ وسلم بعث
معاذاً الى الیمن قاضیاً ،
و ولی عتاب بن اسید امیراً
علی مکة .

اور سلطان جائز سے اس لئے کہ صحابہؓ نے حضرت
معاویہؓ سے عہدوں کو قبول کیا حالانکہ ان کی لفت
حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ظاہر ہو چکی تھی اور حضرت
علی رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ خلافت میں حق پر تھے .
لیکن سلطان غیر عادل کا قاضی بننا صرف
اسی صورت میں جائز ہے جبکہ قاضی کو حق کے

اذا كان يمكنه من القضاء بحق. وأما إذا كان لا يمكنه فلا. لما روى عن الحكم بن عمرو الغفاري أنه أتاه كتاب معاوية وكان فيه أن أمير المؤمنين يأمرك أن تصطفي له الصفراء والبيضاء. فقال سبق كتاب الله كتاب أمير المؤمنين معاوية، و تلا قوله تعالى «وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّن شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ» الآية ترجمه: اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کو غنیمت ملے کسی چیز سے سو اللہ کے واسطے ہے اس میں سے پانچواں حصہ۔ پھر آپ منبر پر چڑھ کر فرمانے لگے: لوگو! امیر المؤمنین کا خط میرے پاس آیا ہے اور اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ سونا اور چاندی میرے لئے علیحدہ کر لے مگر اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل معاویہ کے حکم کی تعمیل سے پہلے ہے اور اب میں تمہارے لئے اللہ نے جو مال غنیمت عطا کیا ہے تقسیم کرتا ہوں لہذا ہر شخص تم میں سے کھڑا ہو کر اپنا حق وصول کر لے۔ پھر اس کے بعد دعا کی، یا اللہ

ثم قال اللهم اقبضني مجھے اپنے طرف اٹھالے۔ چنانچہ اس کے بعد اليك فما عاش بعد ذلك تھوڑے ہی عرصہ میں ان کی وفات ہو گئی۔ الا قليلاً. (۱)

ملاحظہ فرمائیے امام ابن مازہ نے جناب معاویہ کو عہد مرتضوی میں "امام جائز" قرار دیا ہے کیونکہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اپنے عہد خلافت میں خلیفہ راشد تھے اور ان سے بغاوت کرنا جرم تھا اور امام جائز سے عہدہ قضا کا قبول کرنا اگرچہ جائز ہے تاکہ احکام شرع کا رعیت میں نفاذ ہوتا رہے لیکن یہ جواز بھی اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ فرمانروا اگر کسی غلط کام کا حکم دے تو اس کی تعمیل نہ کی جائے جیسا کہ حضرت حکم بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا۔ اور اگر حاکم کا یہی وتیرہ رہے تو پھر اس کا قاضی بننا جائز نہیں۔

اور فقہ حنفی کی مشہور کتاب "ہدایہ" میں ہے:

يجوز التقليد من السلطان جائز ہے عہدہ قضا قبول کرنا سلطان غیر المجائر كما يجوز من العادل عادل سے جیسا کہ بادشاہ عادل سے قبول کرنا لأن الصحابة رضی اللہ عنہم جائز ہے۔ اس لئے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے منصب تقلد و امن معاویہ والحق قضا کو قبول کیا تھا حالانکہ ان کے زمانہ خلافت میں کان بید علی رضی اللہ عنہ فی نوبتہ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ برسر حق تھے۔

"ہدایہ" کی اس عبارت کی شرح کرتے ہوئے علامہ محقق ابن الہمام نے

صاف لکھ دیا ہے کہ هذا تصریح بجور معاویہ یہ معاویہ کے سلطانِ جائز ہونے کی صراحت ہے۔

اور صاحبِ ہدایہ نے جو فی نوبتہ کہا ہے اس کی شرح کرتے ہوئے محقق مدوح فرماتے ہیں

انما كان الحق معه في تلك
حضرت علی کے عہدِ خلافت میں حضرت علی ہی برسر
النوبة لصحة بيعته و
حق تھے کیونکہ حضرت علی سے بیعت صحیح تھی اور
العقادها فكان علي علي
منعقد ہو گئی تھی لہذا حضرت علی اہلِ جمل اور
الحق في قتال اهل الجمل
اہل صفین سے جنگ میں برسرِ حق تھے۔

وقال معاوية في صفين
اور حضور علیہ السلام نے حضرت عمارؓ سے

وقوله عليه السلام
ارشاد فرمایا تھا کہ تمہیں غنیمت باغی جماعت
لعمار ستقتلك الفئة
قتل کرے گی چنانچہ حضرت معاویہ کے
الباغية وقد قتله اصحاب
لشکر نے انہیں قتل کیا، یہ حدیث بتاتی ہے
معاوية يصرح بانهم
کہ جو لوگ حضرت علی سے برسرِ جنگ تھے
لبغاة (۱)

اور شیخ الاسلام بدر الدین محمود عینیؒ "النبایہ فی شرح المہدایہ" میں فرماتے ہیں
وعند اهل السنة
اہل سنت کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے

معاوية كان باغيا في
عہدِ خلافت میں حضرت معاویہؓ باغی ہی تھے،
نوبة علي رضي الله عنه
اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد جب
وبعده الى زمان ترك
تک امیر المؤمنین حضرت حسن رضی اللہ

امير المؤمنين حسن الخلافة
عنہ نے خلافت ان کے سپرد نہ کی وہ
اليه - (۲)

(۱) ملاحظہ ہو ہدایہ اور اس کی شرح فتح القدیر "کتاب ادب القضاة"

(۲) النبایہ شرح المہدایہ بحث مذکور۔

اور امام صدر الاسلام سیف الدین ابوالیسر بزدوی (جو امام فخر الاسلام
بزدوی کے بھائی ہیں) اپنی کتاب "اصول الدین" میں فرماتے ہیں :

قال اهل السنة والجماعة
اہل سنت و جماعت نسبت کے قائل ہیں کہ
ان معاوية حال حياة
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں حضرت
علي رضي الله عنهما لم يكن
معاویہ رضی اللہ عنہ امام نہیں تھے بلکہ امام او
امامًا، بل كان الامام
خلیفہ حضرت علیؓ تھے جو برسرِ حق تھے
والخليفة علي، وكان علي
اور حضرت معاویہؓ حق پر نہ تھے۔
الحق ومعاوية علي الباطل (۱)

اور سرآمد علماء متاخرین شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ
اپنی مشہور کتاب "تحفۃ اثناعشریہ" میں رقم طراز ہیں :

ہر جاہل فارسی خوان بلکہ طفل
ہر فارسی خواں نادان بلکہ طفل مکتب بھی جس
دستان کہ عقائد نامہ فارسی
نے عقائد نامہ مولانا نور الدین جامی رحمہ اللہ
اہل سنت را کہ نظم مولانا نور الدین
کا پڑھایا دیکھا ہے (جس میں اہل سنت
عبدالرحمن جامی استخواندہ یا
کے عقائد کا بیان ہے) وہ یقینی طور پر جانتا
ویدہ باشد یقین می داند کہ اہل
سنت قاطبہ اجماع دارند بر آنکہ
معاویہ بن ابی سفیان از ابتدا
امامت حضرت امیر بغایت
تفویض حضرت امام حسن باو
از بغاۃ بود کہ اطاعت اما وقت
سے محروم رہے۔ اور حضرت حسن کی

نداشت، و بعد از تفویض حضرت تفویض کے بعد ان کا شمار بادشاہوں
امام بدو از ملوک شد (۱) میں ہیں۔

یہ ہیں وہ تصریحات اکابر علماء اہل سنت کی کہ حضرت مرتضیٰ کرم اللہ
تعالیٰ وجہہ اپنے زمانہ خلافت میں از روئے کتاب و سنت خلیفہ راشد
تھے اور حضرت معاویہ باغی اور خطا پر تھے۔

یاد رکھئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے تین جماعتوں نے جنگ کی ہے۔
سب سے پہلے اہل جبل نے اس جماعت کے قائدین کو بروقت اپنی غلطی
پر تنبیہ ہوا اور انہوں نے فوراً ہی اپنے موقف سے رجوع کیلایا یہی صدیقین کی
شان ہے۔ ان حضرات کرام کے بارے میں شرع کا فیصلہ یہ ہے کہ التائب
من الذنب لمن لا ذنب له (جس نے گناہ سے توبہ کی وہ ایسا ہی ہے
جیسے کہ اس نے گناہ ہی نہ کیا)

دوسری جماعت بغاۃ شام کی ہے جن کے بارے میں حدیث صحیح
و متواتر میں «فتنة باغیہ» (باغی گروہ) کے الفاظ وارد ہیں۔

تیسری جماعت خوارج کی ہے جن کے گمراہ ہونے میں اہل سنت کو کوئی
شبہ نہیں ہے۔

اب رہی یہ بات کہ حضرت مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے قتال کرنے والوں
میں بعض صحابہ بھی تھے تو واضح رہے کہ خوارج کے جس گروہ نے آپ سے جنگ
کی اس میں کوئی صحابی تو درکنار کوئی بزرگ تابعی بھی نہیں نظر آتا۔ اسی طرح
بغاۃ شام میں سابقین اولین میں سے کوئی صحابی نہ تھے۔ اہل جبل میں بیشک

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہم طبقہ بعض اکابر تھے لیکن ان حضرات نے
جیسے ہی غلط فہمی ددر ہوئی ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے موقف سے رجوع کرنے
میں دیر نہ کی رضی اللہ عنہم اجمعین۔

اس بحث کے آخر میں ہم یہ گزارش کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ صحابہ کے باہمی
نزاع کا مسئلہ بڑا نازک ہے اس میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے، حق کو حق
کہنا اور صحیح بات کو صحیح سمجھنا تو ضروری ہے مگر کسی ادنیٰ صحابی کی بھی توہین کرنا اور
اس پر طعن و تشنیع کرنا سرے سے ناجائز اور حرام ہے۔ اگر اس دور میں ناصبیت کا
فتنہ خوابیدہ جو کم و بیش ہزار سال سے دبا ہوا تھا اگر نئے سرے سے سر نہ اٹھاتا
تو ہمیں بھی اس بارے میں کچھ لکھنے کی ضرورت نہ تھی۔

یاد رکھئے حضرات اہل سنت و جماعت جہاں اس امر کے قائل ہیں کہ
حضرت مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اپنے عہد خلافت میں جتنی بھی جنگیں لڑیں ان میں
وہ حق پر تھے اور ان سے لڑنے والے خطا پر، وہاں ان کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ
صحابہ رضی اللہ عنہم کا جب ذکر آئے خیر کے ساتھ ان کو یاد کریں گو وہ معصوم
نہیں اور ان سے گناہ بھی سرزد ہو سکتا ہے اور غلطیاں بھی ہو سکتی ہیں مگر
ساری اولاد آدم میں (انبیاء علیہم السلام کو چھوڑ کر کہ وہ سب برگزیدہ اور
معصوم تھے) وہ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت کے مستحق ہیں۔

محمد عبدالرشید عثمانی

۲۶ ذی قعدہ ۱۴۱۸ھ

ہجرات محمد بن عبد الوہاب

حافظ عبد الکریم

تاریخ وفات عم محترم حافظ عبد الکریم صاحب جیسوری مروجہ ۱۱ شعبان ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۱ جولائی ۱۹۴۶ء

محترم مولانا صاحب دام ظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ طالب خیر مع الخیر۔

یہ ایک ایسا خط ہے کہ جس کے اندر میں اپنی کم فہمی کے باعث چند خدشات پیش کر رہا ہوں اس سے نا تو آپ کی تحقیق پر تنقید مقصود ہے اور نہ ہی قاضی الامت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان اقدس کے متعلق کوتاہ نظری کا تصور۔ صرف اور صرف جذبہ حق شناسی کے پیش نظر عریضہ ارسال کر رہا ہوں۔ اس وقت ماہنامہ "بینات" بابت ماہ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ مطابق نومبر ۱۹۸۲ء پیش نظر ہے۔ اس رسالہ میں آپ کا ایک طویل مکتوب مجید ظہور الاسلام کے ایک سوالیہ خط کے جواب میں شریک اشاعت ہے۔ ظہور الاسلام صاحب نے اس خط میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق مختلف قسم کے سوالات ذکر کئے ہیں اور آپ نے جوابی مکتوب میں ان سوالات کے جواب تحریر کئے ہیں۔ ظہور کا ایک سوال یہ بھی ہے کہ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قاتلین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قصاص کیوں نہیں لیا۔ اس کے جواب میں آپ یہ فرماتے ہیں کہ :

اس شبہ کا حل یہ ہے کہ جن لوگوں نے خلیفہ مظلوم حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاء کے خلاف یورش کی اور آپ کے مکان کا محاصرہ کیا فقہ اسلامی کی رو سے ان کی حیثیت باغی کی تھی پھر ان کی دو قسمیں تھیں ایک وہ لوگ جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر کے اپنی دنیا و عاقبت برباد کی اور دوسرے وہ لوگ جن کا عمل صرف محاصرہ تک محدود رہا۔ اول الذکر فریق میں چھ نام ذکر کئے جاتے ہیں : (۱) محمد بن ابی بکر (۲) عمرو بن حق (۳) کنانہ بن بشیر (۴) غانقی (۵) سودان بن حمران (۶) کلثوم بن نجیب۔ ان چھ افراد میں سے آپ محمد بن ابی بکر اور عمرو بن حق کو بری الذمہ قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ عمرو بن حق کے متعلق تاریخی روایات میں آتا ہے :

فوتب علی عثمان فجلس علی صدره وبه رفق قطعنه تسع طعنات

طبری ص ۲۲۴ ج ۳ (بحوالہ "عادلانہ دفاع" ص ۲۱-۲۰)

اور باقی چار کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ ان میں سے سودان اور کلثوم موقع پر ہی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلاموں کے ہاتھوں سے مارے گئے اور کنانہ اور غافقی بعد میں مارے گئے۔ اس طرح قاتلین عثمان میں سے کوئی شخص ہلاکت سے نہیں بچا۔ رہا وہ فریق جس کا عمل محاصرہ تک محدود رہا اور انہوں نے خون عثمان سے ہاتھ رنگیں نہیں کئے ان کی حیثیت باغی کی تھی خود حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی آخری لمحہ تک ان کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت نہیں دی۔

لیکن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے ساتھ ترک قتال کی خود توضیح ان الفاظ کے ساتھ بیان فرمائی ہے :

فقال عثمان فاما ان اخرج فاقا تل فلن اكون اول من خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم في امته يسفك الدماء - (ازالة الخفار ج ۲ ص ۱۲۴)

اس کے بعد آپ تحریر فرماتے ہیں :

"اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے نئے خلیفہ کی اطاعت کر لی۔ انقیاد و اطاعت کے بعد محض بغاوت کے جرم میں کسی کو قتل کرنے کا کوئی شرعی جواز نہیں۔ پس اطاعت و انقیاد کے بعد اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان باغیوں سے تعرض نہیں کیا تو یہ قواعد شرعیہ کے عین مطابق تھا۔"

اس تحقیق کے متعلق آپ نے حاشیہ پر یہ وضاحت بھی بیان فرمائی ہے کہ :

"یاد رہے کہ یہاں میں صرف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موقف کی وضاحت کر رہا ہوں۔"

مناسب تو یہ تھا کہ اس نازک ترین مسئلہ کے دونوں پہلو واضح کر دیتے کیونکہ آپ کی اس تحقیق کے بعد حضرت ام المومنین الحیراء سلام اللہ علیہا اور عظیم امت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

کی حیثیت بالکل ہی مجروح ہو جاتی ہے جو کہ شان صحابہ کے سراسر منافی ہے۔

آپ کی اس تحقیق پر مجھے اپنی کج فہمی یا کم فہمی کے باعث چند خدشات ہیں۔ حضرت زبیر و طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مطالبہ کیا

يا علي انا قد اشتقنا اقامة الحدود و ان هو لا والقوم قد اشتروا في دم هذا الرجل .

اس کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا :

يا اخوتاه اني لست اجهل ما تعلمون ولكن كيف اصنع بقوم عدك و انتا ولا تملكهم . (طبری ص ۲۵۴ ج ۳ (بحوالہ "عادلانہ دفاع" ص ۱۲۳ ج ۲)

اس جملہ سے باغیوں کے انقیاد و اطاعت کی وضاحت بھی ہو جاتی ہے کہ وہ کس درجہ پر مطیع و فرماں بردار تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جواب کا یہ مختصر جملہ آپ کی تحقیق کی بھی تکذیب کرتا ہے۔ اس جواب سے یہ امر بھی بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخذ قصاص کے مطالبہ کو مبنی برحق سمجھتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے موقف کی وضاحت خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس طرح فرمائی ہے۔ ابو سلامہ الدلانی نے آپ سے پوچھا

اترى لهؤلاء القوم حجة فيما طلبوا من هذا الدم ان كانوا ارادوا الله عز وجل بذلك قال نعم قال فترى لك حجة بتاخيرك ذلك قال نعم . طبری ص ۲۵۹ ج ۳ (بحوالہ "عادلانہ دفاع" ص ۱۵۵ ج ۲)

حضرت قعقاع رضی اللہ تعالیٰ عنہ واقعہ جمل کے وقت طرفین کے درمیان جب مصالحت کی کوشش کی تو حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مصالحت کے لئے یہ شرط پیش کی

قتلة عثمان رضی اللہ عنہ

آپ نے ان کے جواب میں فرمایا :

فعلى اعذر في تركه الآن قتل قتلة عثمان وانما اخر قتل قتلة عثمان

الى ان يتمكن منهم فان الكلمة في جميع الامصار مختلفة - (عادلانہ دفاع ص ۱۵۱)

ان مختلف نقول سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ خود حضرت علی اور موقع پر دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اخذ قصاص کے مطالبہ کو مبنی برحق سمجھتے تھے میں یہ سمجھتا ہوں کہ آپ کی فقیہانہ بصیرت سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی بصیرت اور ادراک علی فائق ہے آپ اگر عمر نوح کی طویل مدت میں علم فقہ حاصل کریں تب بھی آپ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فقیہانہ بصیرت کی گرد کو نہیں پہنچ سکتے۔ آپ کی تحقیق اگر صحیح ہوتی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ جواب فرماتے :-

”میں کس سے قصاص لوں قاتلین تو مارے گئے ہیں اور باغیوں نے اطاعت قبول کر لی ہے“

مہربانی کر کے ان گزارشات کا جواب خط کے ذریعہ عنایت کریں کیونکہ ہم دیہاتی دہقانوں کے لئے ماہنامہ ”بینات“ ہمہ وقت میسر نہیں ہو سکتا۔

والسلام

احقر عبد الحق - بستی مولویاں

معرفت حافظ ابو مغیرہ عبد الرحیم نیاز جوبان

نائب امام مسجد واڈا سکارپ کالونی چوک بہادر پور

رحیم یار خان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين ولا عدوان
الا على الظالمين والصلاة والسلام على سيدنا محمد
وعلى آله واصحابه اجمعين، اما بعد

محترمی، وفقنی اللہ وایاکم لما یحب ویرضی! وعلیکم السلام ورحمة اللہ
وبرکاتہ۔ ماہنامہ ”بینات“ بابت محرم الحرام ۱۴۱۷ھ میں جو مضمون ”قاتلین عثمان“
سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصاص نہ لینے کے بارے میں شائع ہوا تھا چونکہ
وہ تمام تر سہارے رسالے ”شہداء کر بلا پر افتراء“ سے ماخوذ ہے اس لئے اس
سلسلہ میں آپ کے اشکالات کا جواب دینے کے لئے محترم مدیر ”بینات“ نے
آپ کا مکتوب مجھ کو مرحمت فرما کر فرمائش کی کہ اس کا جواب قلمبند کر دیا جائے۔
چنانچہ مولانا موصوف کے ایما پر اس سلسلہ میں میں آپ سے مخاطب ہوں۔ واللہ
ولی التوفیق ونسأله السداد والسلامة ونعوذ بالله من الضلال
والزلزل۔

واضح رہے کہ ”ناصریت“ کے پرچار کے سلسلے میں کراچی میں کئی حلقے مستقل
طور پر سرگرم عمل ہیں۔ ان ہی میں ایک ”مجلس عثمان غنی“ بھی ہے۔ اس مجلس نے اپنے

لے یا در ہے ”نواصب“ ”خوارج“ سے الگ فرقہ ہے۔ جس کا شعار حضرت علی کرم اللہ وجہہ
اور ان کی اولاد سے عداوت و دشمنی ہے۔

کام کا آغاز ڈاکٹر احمد حسین کمال کے کنجوں کی اشاعت سے کیا۔ ڈاکٹر صاحب ایک مدت تک ہفت روزہ "ترجمان اسلام" کے مدیر بھی رہ چکے ہیں اس بنا پر ان کو ایک خاص مذہبی حلقہ کا اعتماد بھی حاصل رہا ہے۔ "ترجمان اسلام" کی ادارت سے علیحدہ ہونے پر انھوں نے روسی سفارت خانہ میں ملازمت اختیار کر لی تھی۔

اسی دور میں انھوں نے "مجلس عثمان غنی" کی تاسیس میں حصہ لیا اس کے لئے کتبچے لکھے اور ناصبیت کے فتنے کو ہوا دی۔ ہم نے یہ دیکھا تو اس فتنے کے سد باب کے لئے قلم اٹھایا اور "مجلس عثمان غنی" کے شائع کردہ پہلے کتبچے پر جس کا نام ہے "حضرت عثمان غنی کی شہادت کیوں اور کیسے؟" اور جس کے مرتب یہی ڈاکٹر احمد حسین کمال ہیں۔ ماہنامہ "بینات" میں ایک مفصل تنقید لکھی جو پہلے "بینات" میں شائع ہوئی۔ اور پھر دوبارہ اسے نظر ثانی اور مزید اضافے کے ساتھ جناب محترم علی مطہر نقوی صاحب نے اپنے ادارہ "تحفظ ناموس اہلبیت پاکستان" اے ۲۱۹ بلاک سی شمالی ناظم آباد برکات حیدری کراچی سے "ناصری سازش" کے نام سے طبع کر کر شائع کیا اور پھر تیسری بار مکتبہ اہل سنت و جماعت ۲۸۶ - قاسم آباد، لیاقت آباد کراچی ۱۹ (پاکستان) نے "اکابر صحابہ پر بہتان" کے نام سے اس کو شائع کیا۔

ڈاکٹر احمد حسین کمال نے لکھا تھا کہ :

"آس پاس کے مکانات کی دیواروں سے کود کر کئی شریپند حضرت عثمان کے مکان میں داخل ہو گئے۔ ان شریپندوں کی قیادت حضرت علی کا ایک سوتیلا بیٹا اور پروردہ محمد بن ابی بکر کر رہا تھا۔ اس محمد نے حضرت عثمان کی پیشانی پر پیکان سے ضرب لگائی اور اڑھی پکڑ کر کھینچی اس کے ایک ساتھی کنانہ بن بشر نے کان کے نیچے حصے میں تیر مار کر حضرت عثمان کے حلق سے پار کر دیا۔ اس کے دوسرے ساتھی غافقی نے لوسے کی سلاخ سے حضرت عثمان کا سر بھاڑ دیا اور اس قرآن کو ٹھوکر مار کر دور پھینک دیا جسے حضرت عثمان تلاوت

فرما رہے تھے۔ اس کا تیسرا ساتھی عمرو بن حمق حضرت عثمان کے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور آپ کے سینے پر خنجر کے نو (۹) چر کے لگائے۔ اس کے چوتھے ساتھی سودان بن حمران مرادی نے تلوار کا ایک بھر پور وار کر کے حضرت عثمان کا چہرہ حیات گل کر دیا۔ یہ تھے وہ "پنجتن" جنھوں نے مسلمانوں کے خلیفہ کو دن دھاڑے مدینہ میں

بے رحمی کے ساتھ شہید کر ڈالا "

ہم نے اس کے جواب میں تحریر کیا تھا کہ

"اس کتابچہ کے مرتب نے محض شیعوں کی ضد میں لفظ "پنجتن" کا استعمال ان پانچ افراد کے لئے کیا ہے جنھیں وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قاتل بتاتا ہے (ملاحظہ ہو صفحہ ۸) اور پھر ان ہی "پنجتن" کے زمرہ میں اس نے حضرت عمرو بن حمق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی نام لیا ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی ہیں حضرت عمرو بن حمق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ ان تمام کتابوں میں مذکور ہے۔ جو صحابہ کے حالات میں مدون ہوئی ہیں۔ مسند امام احمد بن حنبل، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، اور حدیث کی دوسری کتابوں میں ان کی وہ روایتیں موجود ہیں جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھیں۔ یہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے مشرک باسلام ہوئے تھے۔ اور صلح حدیبیہ کے بعد انھوں نے ہجرت کی تھی۔ علماء محققین نے تصریح کی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خونِ ناحق میں کسی صحابی کی شرکت ثابت نہیں۔ چنانچہ علامہ عبدالحی بحر العلوم فرنگی علی فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں رقمطراز ہیں :

اعلم ان قتل امیر المؤمنین معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت امیر المؤمنین عثمان عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ من رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قتل بہت بڑے کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ کیونکہ آپ خلیفہ برحق تھے۔ اور اکبر الکبائر فائدہ امام حق، و قد أخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

و انه استحيى ورجع حين قال له عثمان لقد اخذت بلحية كان ابوك يكرهها، تمہا کہ تم نے اس داڑھی پر ہاتھ ڈالا ہے جس کی قدم من ذلك و غطي وجهه تمہا کہ باپ عزت کیا کرتے تھے، بس اتنا سننا ورجع و حاجز دونہ فلم تمہا کہ ان پر نہ امت طاری ہو گئی اور اپنا منہ چھپا کر یقیناً و كان امر الله قذراً واپس ہونے لگے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مقدوراً و كان ذلك تعالٰی عنہ کے قتل میں اسطے بھی آئے لیکن اس کا فی الكتاب مسطوراً کچھ فائدہ نہ ہوا، امر الہی پورا ہو کر رہا۔ تقدیر (ج ۷، ص ۱۸۵ طبع بیروت ۱۹۶۶ء) میں یوں ہی لکھا ہوا تھا یہ

پھر اسی مجلس کا دوسرا کتابچہ "داستان کربلا حقائق کے آئینے میں" شائع ہوا۔ یہ بھی اسی ڈاکٹر احمد حسین کمال کا لکھا ہوا ہے۔ اس کی تردید میں ہم نے اپنا رسالہ "شہداء کربلا پر افرا" لکھا۔ جس میں ہم نے تحریر کیا تھا کہ

"داستان گو کے فریب کو سمجھنے کے لئے اولاً "قاتلان عثمان" کے معاملے پر غور کیجئے، قاتلان عثمان کے سلسلے میں اصل تنقیح طلب امر یہ ہے کہ واقع میں "قاتلان عثمان" ہیں کون؟ کیا وہ شریعت جو اس پاس کے مکانات کی دیواروں سے کود کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں داخل ہو گئے تھے اور جنہوں نے اس فعل شنیع کا ارتکاب کیا تھا۔ یا وہ سب مظاہرین جو آپ سے مسند خلافت سے کنارہ کش ہونے کا مطالبہ کر رہے تھے؟ ظاہر ہے کہ شرعاً اور قانوناً آپ کے قتل کے مجرم وہی اشخاص ہیں جو براہ راست اس فعل شنیع کے مرتکب ہوئے خود آپ پر حملہ آور ہوئے یا آپ پر حملہ کرنے میں مدد کی، ایسے لوگوں کی تعداد خود "داستان گو" صاحب کے بیان کے مطابق پانچ افراد سے زیادہ نہیں جن کو وہ شیعوں کی ضد میں "پنجتن" کہہ کر پکارتے

پہلے ہی خبر دیدی تھی کہ یہ مظلوم قتل کئے جائیں گے
حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی ساری
زندگی حق تعالیٰ اور اس کے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ
و علیٰ آلہ و صحابہ وسلم کی اطاعت میں بسر کی، صحابہ
کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے
کوئی ایک شخص بھی نہ تو ان کے قتل میں شریک تھا
اور نہ ان کے قتل ہو جانے پر راضی۔ بلکہ فاسقوں
کی ایک ٹولی نے چوروں کی طرح اکٹھے ہو کر جو کرنا
تھا کر ڈالا۔ سارے صحابہ نے جیسا کہ صحیح روایات
میں آتا ہے اس فعل شنیع پر نیکر کی پس جو لوگ بھی
آپ کے قتل میں شریک ہوئے یا اس پر رضی
ہوئے وہ سب یقیناً فاسق ہیں لیکن (یاد
رہے) ان قاتلوں میں جیسا کہ بہت سے محدثین
نے تصریح کی ہے صحابہ میں سے کوئی ایک فرد بھی
شریک نہ تھا۔

من اهل الحديث (ص ۴۴ طبع نول کشور لکھنؤ ۱۳۲۵ھ)

اور محمد بن ابی بکر کے بارے میں لکھا تھا کہ

"حافظ ابن کثیر "البدایہ والنہایہ" میں رقمطراز ہیں :

ویروی ان محمد بن ابی بکر
طعنہ بمشاقص فی اذنه حتی
دخلت فی حلقه والصحيح
ان الذي فعل ذلك غيره
اور بیان کیا جاتا ہے کہ محمد بن ابی بکر نے حضرت
عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کان میں پیکانوں سے
دار کیا وہ آپ کے حلق میں اتر گئے، حالانکہ صحیح
یہ ہے کہ ایسا کسی اور نے کیا تھا۔ محمد بن ابی بکر

لہ ملاحظہ ہو ہمارا کتابچہ "اکابر صحابہ پر بہتان" ص ۳۶ و ۳۷

ہیں، ان پانچوں قاتلوں کے نام "داستان گو" صاحب نے یہ لکھے ہیں (۱) محمد بن ابی بکر (۲) کنانہ بن بشر (۳) غافقی (۴) عمرو بن حق (۵) سودان بن حمران۔ بعد کو "داستان گو" صاحب نے کلثوم بن تجیب نامی ایک اور شخص کو بھی قاتل لکھا ہے۔ لیکن یہ نہیں بتایا کہ وہ کس کا قاتل تھا۔ اگر اس کو بھی وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاتل قرار دیتے ہیں تو ان کی "پنجتن" کی پھبتی غلط ہو جائے گی کیونکہ اب قاتل "پنجتن" کی بجائے شش تن بن جائیں گے۔ بہر حال ان نام بردگان میں حضرت عمرو بن الحق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو بالاتفاق صحابی ہیں اور محققین محدثین کی تصریح کے مطابق کسی صحابی رسول کی شرکت قتل عثمان میں ثابت نہیں۔ اسی طرح محمد بن ابی بکر صدیق کے متعلق بھی صحیح یہ ہے کہ وہ قتل کے ارتکاب میں شریک نہ تھے۔ انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی داڑھی ضرور پکڑی تھی لیکن جب حضرت مدوح نے ان سے یہ فرمایا کہ برادر زادے تمہارے باپ زندہ ہوتے تو ان کو تمہاری یہ حرکت پسند نہ آتی۔ بس یہ سنتے ہی وہ شرما کر پیچھے ہٹ گئے اور دوسرے لوگوں کو بھی آپ پر دست درازی سے روکنے کی کوشش کی، لیکن کچھ نہ بن پڑا، یہ عجیب بات ہے کہ ناصبی اپنے امام یزید اور مروان کو تو ہر طرح بچانے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کے خلاف جو کچھ تاریخ اسلام میں مذکور ہے اس کو سبائیوں کی ہوائی باتیں بتاتے ہیں مگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے محمد بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں شریک بنانے کے درپے ہیں۔ صرف اس لئے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لے پالک تھے اور شیعہ بھی ان کو اپنا ہیرو مانتے ہیں اور ان پر "قتل عثمان" کی غلط تہمت جوڑتے ہیں جو خلاف واقع ہے، ناصبیوں کو چاہیے کہ جس طرح وہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا برادر نسبتی ہونے کی وجہ سے "خال المؤمنین" کہتے ہیں اسی رشتہ سے ان کو بھی "خال المؤمنین" کہا کریں اور ان کا ادب کیا کریں کیونکہ وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ارجمند اور حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ

عنها کے بھائی تھے۔

سودان بن حمران اور کلثوم تجیبی دونوں موقع پر ہی حسب تصریح حافظ ابن کثیر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلاموں کے ہاتھوں مارے گئے۔

(ملاحظہ ہو "البدایہ والنہایہ" ج ۱، ص ۱۸۸ و ۱۸۹)

اب صرف غافقی اور کنانہ بن بشر دو شخص رہ جاتے ہیں جو موقع واردات سے کسی طرح فرار ہو گئے تھے۔ بعد کو یہ بھی قتل ہو گئے چنانچہ ابن جریر طبری نے بعض سلف سے نقل کیا ہے کہ قاتلان عثمان میں سے کوئی شخص بھی قتل ہونے سے بچ سکا (ملاحظہ ہو حوالہ سابق)

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب مسند آرائے خلافت ہوئے تو آپ نے سب سے پہلا کام جو کیا وہ اسی واقعہ کی تحقیق تھی، لیکن وقت یہ تھی کہ نہ اولیاء مقتول میں سے کسی نے اس وقت دربار خلافت میں استغاثہ دائر کیا اور نہ قاتلین میں سے کوئی موجود تھا، نہ قتل کی عینی شہادت کسی کے خلاف فراہم ہو سکی۔ اب کارروائی کی جاتی تو کس کے خلاف کی جاتی؟ علامہ ابن تیمیہ نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قاتلین عثمان کو قتل نہ کرنے میں معذور تھے۔ کیونکہ قصاص لینے کے لئے جو شرائط ضروری ہیں، وہ موجود ہی نہ تھیں۔

ظاہر ہے کہ جب اصل قاتلوں کا پتہ ہی نہ چل سکے تو پھر قصاص کس سے لیا جائے یہ تو ہوائی بات ان لوگوں کے متعلق جو براہ راست اس فعل شنیع کے مرتکب ہوئے تھے۔

اب رہے وہ مظاہرین جنھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حویلی کا محاصرہ کیا تھا۔ ان کی حیثیت باغی سے زیادہ نہ تھی "داستان گو" نے بھی اپنے

پہلے کتابچہ ”حضرت عثمان غنی کی شہادت کیوں اور کیسے“ میں جگہ جگہ ان کو باغی ہی لکھا ہے۔ باغیوں کے بارے میں فقہ اسلامی کا فیصلہ یہ ہے کہ بغاوت سے باز آجانے کے بعد ان کو بغاوت کی پاداش میں سزا نہیں دی جائے گی۔ نیز آغاز بغاوت میں بھی جب تک وہ لوگوں کے جان و مال سے تعرض نہ کریں ان کو زبانی فہمائش ہی کی جائے گی، سمجھایا جائے گا، ان کے شبہ کے ازالے کی کوشش کی جائے گی تاکہ وہ فساد و بغاوت سے باز آجائیں، ہاں اگر وہ زبانی فہمائش سے باز نہ آتے اور انھوں نے خون ریزی میں پیش دستی کی یا باضابطہ لشکر کشی کر کے لڑنے کو موجود ہو گئے تو پھر ان سے قتال واجب ہے۔ اب حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں خلفاء راشدین کے طرز عمل پر نظر ڈال لیجئے، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عین حالت محاصرہ کے وقت بھی باغیوں کو زبانی فہمائش ہی پر اکتفا کی اور ہر طرح ان کے شبہات کے ازالہ کی کوشش فرمائی، کیونکہ اس وقت تک ان کا معاملہ خلیفہ وقت کے خلاف مظاہر سے آگے نہ بڑھا تھا۔ اخیر میں چند شرپسند جن کی تعداد چار پانچ افراد سے زیادہ نہ تھی اچانک اشتعال میں آ گئے وہ چوروں کی طرح پڑوس کی دیواروں سے آپ کی حویلی کی چھت پر کودے اور بالا خانہ میں اتر کر آپ کو شہید کر ڈالا، ان میں کچھ عین وقت پر مارے گئے، کچھ موقع پاکر رات کے اندھیرے میں فرار ہو گئے۔ بعد ازاں جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مدینہ کے تمام ہاجرین و انصار نے خلافت کی بیعت کی تو ان مظاہرین نے بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کر کے آپ کی اطاعت اختیار کر لی، بغاوت فرو ہو جانے کے بعد اب ان باغیوں سے باز پرس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ فقہاء نے تصریح کی ہے

توبة الباغي بمنزلة الاسلام من جان و مال کی حفاظت اور ان کے احترام کے الحربي في افادة العصمة والحمة سلسلہ میں باغی کے توبہ کر لینے اور حربی کافر کے (البحر الرائي شرح كنز الدقائق، باب البغاة)

ہم نے اپنے رسالہ ”شہداء کربلا پر افتراء“ میں قاتلین عثمان کے بارے میں جو کچھ لکھا تھا اسی کی روشنی میں مدیر ”بینات“ نے اپنا وہ جواب قلمبند فرمایا جس کا حوالہ آپ نے اپنے اس مکتوب میں دیا ہے اس کے بعد اب آپ اپنے مکتوب کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو مولوی عبد الحلیم صاحب شرر لکھنوی مرحوم نے اپنی کتاب ”ابو الحسنین“ کے خاتمہ پر جو سطور قلمبند فرمائی ہیں وہ غور سے پڑھنے کے لائق ہیں۔ فرماتے ہیں :

”خاتمہ پر مجھے بیان کر دینا چاہیے کہ حضرت علی کے عہد اور صحابہ کی باہمی خونریزیوں کو بیان کرنا ایک سچے مسلمان کے لئے نہایت ہی پرخطر راستہ ہے۔ بہت مشکل ہے کہ انسان اس راستے پر چلے اور اس کے قدم کو لغزش نہ ہو۔ چنانچہ فی الحال بعض انگریزی دان بے لگاموں نے اس کو چپے میں قدم رکھا تو بعض حضرت معاویہ کو برا کہنے لگے اور بعض کے دلوں میں حضرت علی کی طرف سے بدظنی پیدا ہو گئی، اسی دشواری کے خیال سے اکابر سلف کا معمول ہے کہ ان واقعات کی تفصیل بیان کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ مگر یہ بھی امکان سے باہر ہے اس لئے کہ جو واقعات سلف کی تاریخوں اور حدیث کی کتابوں میں درج ہیں وہ نہ کسی کے چھپانے سے چھپ سکتے ہیں اور نہ دبائے سے دب سکتے ہیں اس میدان میں خوارج اور شیعہ نہایت آرام سے ہیں۔ اس لئے کہ انھوں نے یکسوئی اختیار کر لی۔ اور جن بزرگوں کو چاہا برا کہنے لگے اور جن کی جی چاہا تعریفیں کرنے لگے۔ شیعہ اکیلے حضرت علی اور ان کے فریق کے طرفدار بن کے حضرات خلفاء ثلاثہ معاویہ، عمرو بن عاص اور حضرت علی کے تمام مخالفوں کو علی الاعلان برا کہنے لگے۔ خوارج نے صرف ابو بکر و عمر کو اختیار کر لیا اور علی ہوں یا معاویہ سب کو برا کہنے

لکے۔ شیعیان عثمان کا گروہ بنی امیہ کے زوال کے ساتھ فنا ہو گیا ورنہ وہ بھی آج موجود ہوتے اور جن صحابہ و اکابر خیر القرون کو اپنے اصول کے خلاف پاتے برا کہتے۔ قاعدین یعنی حضرت ابو موسیٰ اشعری و عبد اللہ بن عمر و ابو ہریرہ کے مسلک پر بھی کوئی نہیں رہا۔ وہ ہوتے تو ان کے لئے بھی زیادہ مشکل نہ ہوتی۔ اس لئے کہ لڑنے اور خونریزی کرنے والوں کو عام اس سے کہ کوئی ہوں وہ برا سمجھتے۔

مشکل ہے تو ہم اہل سنت کے لئے۔ جن کا مسلک یہ ہے کہ ہمارے لئے ان کی لڑائی ویسی ہی ہے جیسے کہ ماں باپ کی باہمی بخش و بچوں کے لئے ہو ا کرتی ہے۔ یا استادوں کا باہمی اختلاف شاگردوں کے لئے ہو، ماں باپ اور متخالف استاد ایک دوسرے کو برا کہتے اور گالیاں دیتے ہیں مگر وہ دونوں کو اچھا جانتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ دونوں میں سے کسی کا ساتھ نہ چھوڑیں۔ عدالت ان میں سے چاہے جس کی تائید کرے مگر وہ دونوں کے موافق ہی رہتے ہیں، اسی طرح اہل سنت کا اعتقاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور ان بزرگوں کے ذاتی فضائل اور کارناموں کو دیکھ کر ہم کسی کو بھی برا نہیں کہہ سکتے۔ نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ کون حق پر ہے، اور کون باطل پر، خدا کے اختیار میں ہے کہ ان کی نزاعوں کا جو فیصلہ چاہے کر دے۔ مگر ہم ان کی شان میں گستاخی کرنا اپنی شان اور اپنے درجہ سے زیادہ اور اپنے صحیح معلومات سے باہر تصور کرتے ہیں۔ اس پر بھی کوئی صاحب کسی طرف جھکنا اور کسی کے خلاف فیصلہ کرنا چاہیں تو انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ ہماری معلومات کا دائرہ نہایت مشتبہ و مشکوک ہے اس قسم کی روایتیں جن پر کسی شرعی مسئلے کی بنیاد پڑے ان معاملات میں موجود نہیں ہیں۔ قدیم سے عادت پڑی ہوئی

ہے کہ بزرگوں کے فضائل و مناقب میں کسی شرعی مسئلے سے غیر متعلق ہونے کے باعث صحت روایت کی پوری کوشش نہیں کی جاتی اور ضعیف روایتیں بے تکلف بیان کر دی جاتی ہیں۔ اسی طرح ان واقعات کی نقل کرنے میں بھی بے احتیاطی کی گئی۔ اور کوئی روایتوں کا پرکھنے والا گروہ نہیں پیدا ہوا۔

محدثین سلف، تابعین و تبع تابعین کے عہد کے شیعیان علی کی روایتوں کو مان لیا کرتے تھے۔ اور صحابہ میں تو عام اس سے کہ شیعیان علی ہوں یا شیعیان عثمان یا قاعدین سب کی روایتیں مقبول سمجھی گئیں۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ نماز روزے کے مسائل شرع میں چاہے ان کی روایتیں مان لینے کے قابل ہوں مگر اس جھگڑے میں چونکہ وہ فتنے میں پڑ کے ایک مسلک اختیار کر چکے تھے۔ لہذا یقینی طور پر اس بارہ خاص میں ان کی کوئی روایت قابل وثوق نہیں ہو سکتی۔ اس کا نتیجہ ہے کہ ہماری تاریخیں ایسی متضاد و متخالف روایتوں سے بھری پڑی ہیں کہ ان سب پر نظر ڈال کے کسی صحیح نتیجے تک پہنچنا غیر ممکن ہے۔

باہمی نزاعوں کے متعلق میں نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ کسی مستند فیصلہ کے بجائے قیاسی طور پر بعض روایتوں کو چھوڑ کے اور بعض کو لے کر مرتب کر دیا گیا۔ لیکن خود مجھے اس پر وثوق نہیں کہ ان میں کتنی باتیں صحیح ہیں اور کتنی غلط۔ لہذا میں مشورہ دیتا ہوں کہ اگر کوئی صاحب اس بارے میں بحث کر کے صحیح نتیجے تک پہنچنا چاہتے ہوں تو وہ رجال کی کتابوں کا وسیع اور مکمل ذخیرہ کتب جمع کر کے پہلے اس کی چھان بین کریں کہ روایتوں میں سے کتنی شیعیان علی کی ہیں اور کتنی شیعیان عثمان کی، کتنی قاعدین اور کتنی

۱۔ مگر صحابہ سے اس بارے میں شاید ہی کوئی روایت قابل وثوق ملے۔ نعمانی۔

خوارج سے ہمارے یہاں نقل ہوا آتی ہیں۔ پھر ان سب کو ایک دوسرے کے مقابل رکھ کے اصول جرح و تعدیل اور قیاس شرعی سے کام لے کر فیصلہ کریں۔

بغیر اس کے عام سنی سنائی باتوں کو دیکھ کر کسی کا جانبدار بن جانا اور کسی کو برا کہنے لگنا سخت نادانی ہے۔ اور میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ ہم کو اور سب سچے مسلمانوں کو اس حماقت جہالت سے محفوظ رکھے۔ (۱)

اس تمہید کے بعد اب آپ کی پیش کردہ ان تاریخی روایات کا علمی جائزہ لینا نامناسب نہیں۔ آپ نے لکھا ہے کہ

”ان چھ افراد میں سے آپ محمد بن ابی بکر اور عمرو بن حق کو بری الذمہ قرار دیتے ہیں حالانکہ عمرو بن حق کے متعلق تاریخی روایات میں آتا ہے

فوثب علی عثمان فجلس علی صدره و به رفق فطعنه یعنی یہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینہ پر کود کر بیٹھ گیا اور ابھی ان میں زندگی کی کچھ رفق باقی تھی کہ اس نے ان پر نوزخم لگائے۔

تاریخ طبری میں اس روایت کی سند یہ بیان کی ہے :

قال محمد بن عمرو حدثني عبد الرحمن محمد بن عمر (واقدي) کا بیان ہے کہ مجھ سے بن ابی الزناد عن عبد الرحمن عبد الرحمن بن ابی الزناد نے عبد الرحمن بن الحارث کی زبانی یہ نقل کیا۔

(۱) اس روایت کے پہلے راوی جناب محمد بن عمرو واقدی متوفی ۱۲۰ھ ہجری کا ضعیف الروایہ ہوا مشہور عام ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کے ”تقریب التہذیب“ میں ان کے بارے میں یہ الفاظ ہیں

”ابو الحسنین“ ص ۴۱ تا ۴۳ طبعہ دہلی گداز پریس لکھنؤ

۵۴ طبری ج ۲ ص ۲۱۳ بحوالہ ”عادلانہ دفاع“

متروک مع سعة علمہ باوجود وسیع العلم ہونے کے متروک ہیں۔

(۲) واقدی اس کو عبد الرحمن بن ابی الزناد المتوفی ۱۴۴ھ سے روایت کرتے ہیں، جن کے بارے میں حافظ ابن حجر کی تصریح ہے۔

صدوق تغیر حفظہ لہما سچے ہیں۔ جس وقت بغداد میں آئے تھے ان کا حافظہ قدم بغداد۔ (تقریب التہذیب) بگڑ چکا تھا۔

اب معلوم نہیں واقدی نے ان سے یہ روایت بغداد میں سنی تھی یا بغداد میں آنے سے پہلے ہی۔ علاوہ ازیں کتب رجال میں ان پر مفصل جرحیں بھی مذکور ہیں اور گو عام طور پر ان کی روایتیں قبول کر لی جاتی ہیں مگر میزان نقد پر پڑھنے کے بعد۔

(۳) عبد الرحمن بن ابی الزناد اس روایت کو عبد الرحمن بن الحارث بن عبد اللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی المتوفی ۱۴۳ھ ہجری سے نقل کرتے ہیں، ان کے بارے میں بھی حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی تصریح یہ ہے :

صدوق لہ اوہام (تقریب) سچے ہیں ان سے (متعدد روایات میں) وہم ہوا ہے راوی سے روایت میں وہم کا ہو جانا روایت کو مجروح کر دیتا ہے۔ کتب رجال میں ان پر بھی جرح موجود ہے۔ اس لئے ان کی روایت کو قبول کرنے میں احتیاط کو مد نظر رکھنا ہوگا۔ بلکہ حافظ ذہبی نے تو ”الکاشف“ میں ان کے بارے میں صرف ایک ہی قول نقل کیا ہے کہ لیس بالقوی (یہ قوی نہیں ہیں)

(۴) عبد الرحمن بن الحارث کا انتقال ۱۴۳ھ ہجری میں ہوا ہے۔ انتقال کے وقت ان کی عمر تیس سال کی تھی ۱۲۰ھ ہجری میں پیدا ہوئے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ذی الحجہ ۳۵ھ میں ہوئی ہے یعنی ان کی ولادت سے پینتالیس سال پہلے۔ اب معلوم نہیں کہ عبد الرحمن بن الحارث سے اس واقعہ کا ذکر کس نے کیا راوی عینی شاید تھا یا اس نے کسی کی زبانی یہ افواہ سنی تھی۔ عبد الرحمن بن الحارث کے ہوش سنبھالنے اور روایت ضبط کرنے کے قابل ہونے تک اس واقعہ کو گزرے ہوئے پچاس سٹھ برس کا عرصہ ہو چکا تھا۔ عام طور پر اس عرصہ کے کسی واقعہ کو بیان

کرنے کے لئے کم از کم دوراوی اور درمیان میں ہوا کرتے ہیں۔ اب پتہ نہیں کہ جن صاحب سے عبد الرحمن بن الحارث نے عمرو بن الحق کے بارے میں یہ الزام سنا تھا وہ صاحب خوارج میں سے تھے یا شعیان علی میں یا شعیان عثمان میں یا نواصب میں اور خود انھوں نے جن سے اس واقعہ کو سنا وہ کون تھے کس کے ہوا خواہ تھے، کس پارٹی سے متعلق تھے، انہوں نے خود اپنی آنکھوں کے سامنے ایسا ہوتا دیکھا تھا یا محض زبانی سنی سنائی افواہ بیان کر دی تھی، اتنا اہم واقعہ ہوا اور اس کے عینی شاہد کا نام بھی نہ لیا جائے، عجیب بات ہے۔

خاص طور پر اس الزام کی اہمیت اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جبکہ یہ کہا جائے کہ اس گھناؤنے جرم کے مرتکب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک محترم صحابی ہیں۔ حضرت عمرو بن الحق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں سائیں اور مصنف "عادلانہ دفاع" دونوں کے بارے میں ہمارا حسن ظن یہ ہے کہ دونوں ہی کو ان کے صحابی ہونے کا علم نہیں ہے ورنہ وہ ان کے بارے میں اس قسم کا غلط الزام نقل کرنے میں احتیاط برتتے۔

اب ملاحظہ فرمائیے حافظ ابن حجر عسقلانی "تقریب التہذیب" میں لکھتے ہیں

(س ق) عمرو بن الحق بفتح (س ق) عمرو بن الحق (حمار پہ زبر، میم پر زیر) اس المصنعة وکسر المیم بعد ہاقاف کے بعد قاف ہے، بن کاہل، (اور کاہل کی بجائے ابن کاہل ویقال الکاهن بالنون کاہن بھی نون کے ساتھ کہا جاتا ہے) بن حبیب ابن حبیب الخزاعی صحابی سکن خزاعی صحابی ہیں پہلے کوفہ میں سکونت اختیار الکوفة ثم مصر قتل فی خلافة کی اس کے بعد مصر چلے گئے۔ حضرت معاویہ کے معاویہ زمانہ خلافت میں ان کو قتل کیا گیا۔

"س" امام نسائی اور "ق" امام ابن ماجہ قزوینی کی علامت ہے جس سے معلوم ہوا کہ ان دونوں بزرگوں کی کتابوں میں ان کی حدیث جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے انہوں نے روایت کی تھی موجود ہے۔ "مشکوٰۃ المصابیح" کے "باب الامان" میں بھی ان کی روایت "شرح الستہ" کے حوالہ سے مذکور ہے اس لئے مشکوٰۃ کا ایک طالب علم بھی ان کے صحابی ہونے سے واقف ہے۔ ان کے علاوہ بہت سی کتب احادیث میں

ان کی مرویات موجود ہیں بالخصوص "مسند احمد" اور "مسند طحاوی" وغیرہ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی "اشعہ الملتا" میں فرماتے ہیں :

عمرو بن الحق بفتح حاء وکسر میم صحابی خزاعی عمرو بن الحق بفتح حاء وکسر میم صحابی خزاعی سکونت کرد کوفہ پس ازان انتقال خزاعہ سے تعلق رکھتے ہیں، کوفہ میں سکونت پذیر کرد بمصر بیعت کرد آنحضرت را در تھے پھر مصر میں منتقل ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حجۃ الوداع میں بیعت کی، احدی و خمیس، و در قتل وے قصہ اشعہ بحیری میں قتل کئے گئے۔ ان کے قتل کا قصہ عجیبیت کہ ذکر کردہ است آنرا سیوطی عجیب ہے، جس کو امام سیوطی نے "جمع الجوامع" در جمع الجوامع "وما در اسماء الرجال" میں ذکر کیا ہے اور ہم نے "اسماء الرجال" میں آنرا ذکر کردہ ایم و در حاشیہ رسالہ اس کو بیان کیا ہے اور اپنے رسالہ "تعمیم البشارة" "تعمیم البشارة" نیز نوشتہ ایم۔ کے حاشیہ میں بھی ہم اس کو لکھ چکے ہیں۔

شیخ مدوح نے "مشکوٰۃ" کے رواۃ پر جو کتاب لکھی ہے اس کا ذکر یہاں "اسماء الرجال" کے نام سے کیا ہے۔ یہ ضخیم کتاب ہے جس کا نسخہ ہندوستان میں پٹنہ کی خدابخش لائبریری میں موجود ہے اس کا پورا نام "اسماء الرجال والرواۃ المذكورین فی مشکوٰۃ" ہے، اور راجپوتانہ کی مشہور سابقہ مسلمان ریاست "ٹونک" کے سرکاری کتب خانہ میں اس کتاب کا قلمی نسخہ ہماری نظر سے بھی گزرا ہے۔ اور شیخ نے اپنے جس رسالہ کا یہاں ذکر کیا ہے اس کا پورا نام "تحقیق الاشارہ فی تعمیم البشارة" ہے۔ اس رسالہ میں اُن حضرات صحابہ کا ذکر ہے، جن کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنے اس رسالہ کا تعارف اپنی دوسری تصنیف "تکمیل الایمان" میں ان الفاظ میں کیا ہے :

وعوام خلقی پندارند کہ بشارت عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یقینی طور پر دخول جنت بدخول جنت و قطع بدان مخصوص باین کی بشارت عشرہ مبشرہ ہی کی خصوصیت ہے عشرہ است و این گمان غلط محض اور یہ گمان کرنا محض غلط اور صریح جہالت ہے۔

جہل صریح است ہم نے اس بحث کو اسی زمانے میں ایک مستقل کتاب میں جس کا نام تحقیق الاشارة فی تعمیم البشارة ہے۔ تفصیل و تحقیق کے ساتھ بیان کیا ہے اور جن حضرات کو بشارت دی گئی ہے ان کے نمودہ واسامی اہل بشارت را بارے میں کتب احادیث میں جو کچھ نظر سے گزرا از انچہ در کتب احادیث در نظر ہے نام بنام ذکر کر دیا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ چاروں آمدہ ذکر کردہ ایم۔ وحق آنست کہ خلفاء حضرات فاطمہ و حسن و حسین اور ان جیسے بشارت خلفاء اربعہ و فاطمہ و حسن و حسین و امثال ایشان مشہورست اس قدر مشہور ہے کہ تو اتر معنوی کی حد تک پہنچ واصل بحد تو اتر معنوی و بشارت گئی ہے۔ اور باقی عشرہ مبشرہ کی بھی شہرت تک باقی عشرہ نیز بحد شہرت رسیدہ پہنچ چکی ہے اور بعض دوسرے صحابہ کے جنتی ہونے و بشارت بعض دیگر احاد با تفاوت کی بشارت خبر احاد سے ثابت ہے، اور ان کے مراتب آن

باہم فرق مراتب کا لحاظ رکھنا ہوگا

بہر حال حضرت عمرو بن الحق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان خوش قسمت افراد میں شامل ہیں جن کو بارگاہ رسالت سے جنتی ہونے کی بشارت ملی ہے۔ اور گو اس کا ثبوت شہرت و تو اتر کی حد تک نہ پہنچ سکا لیکن خبر احاد سے ثابت ہے۔ اسی بنا پر ان کا ذکر شیخ مدوح کے رسالہ مذکور تعمیم البشارة میں آیا ہے۔ شیخ محدث نے ان کے بارے میں جو یہ لکھا ہے کہ

”انھوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حجۃ الوداع میں بیعت کی تھی“

تو اس سلسلہ میں جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے ”الاصابہ فی تمییز الصحابہ“ میں تصریح کی ہے زیادہ صحیح یہ ہے کہ انھوں نے صلح حدیبیہ کے بعد ہجرت کی تھی۔ بلکہ حافظ موصوف نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ حاکم کبیر کی کتاب الکافی کے حوالہ سے ابن اسحاق کا جو بیان

نقل کیا جاتا ہے اس سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمرو بن الحق رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوہ بدر میں بھی شریک ہو چکے ہیں۔ بہر صورت ان کا صحابی ہونا متحقق ہے اور غزوہ بدر میں اگر ان کی شرکت ثابت ہو جاتی ہے تو پھر ان کا شمار سابقین اولین میں ہو گا۔ اور صلح حدیبیہ کے بعد ہجرت کی بنا پر ان حضرات سے بہر حال افضل قرار پاتے ہیں جو متح مکہ کے موقع پر مشرف باسلام ہوئے پھر ایسے جلیل القدر صحابی برائے سنگین الزام ایسی بے جان اور واپسی روایت کی بنا پر عام کرنا ہمارا ذہن اس کے قبول کرنے سے بار بار تھکاتی کرتا ہے۔

محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار بھی محدثین کے نزدیک صحابہ میں ہے چنانچہ محقق جلال الدین دوانی نے ”شرح عقائد عضدیہ“ میں صحابی کی جو تعریف کی ہے وہ یہ ہے :

”صحابی“ وہ ہے جس نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لا کر آپ کی زیارت کی ہو، خواہ بلوغ کی حالت میں یا اس سے پہلے یا اس کے بعد اور خواہ آپ کی طویل طال صحبتہ اولاً۔ صحبت اٹھائی ہو یا اتنا موقع نہ مل سکا ہو۔

محقق دوانی کی اس تعریف کی توضیح کرتے ہوئے اس کتاب کے شارح شیخ اسماعیل کلنبوی المتوفی ۱۳۲۰ھ لکھتے ہیں :

خواہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے اپنی آنکھیں سواہ کانت الرؤیۃ والابصار فی حال البلوغ او قبلہ کما فی فی حال البلوغ او قبلہ کما فی محمد بن ابی بکر من الصحابة، فانه ولد قبل وفاته علیہ السلام کہ ان کی ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تین ماہ پیشتر ہوئی تھی لیکن انہوں نے چونکہ زبان طفولیت سے تین ماہ پیشتر ہوئی تھی اس لئے علماء نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔

اور امام سیوطی ”تدریب الراوی فی شرح تقریب النوادی میں رقمطراز ہیں :

”ومن رأى النبي صلى الله عليه وسلم غير ميتر محمد بن ابی بکر الصديق فانه صحابي وحكم روايته حكم المرسل لا الموصول“ (ج ۱ ص ۱۹۶ طبع مصر ۱۳۲۶ھ)

اور جس نے بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سن ۶۷ یمیز کو پہنچنے سے پہلے دیکھا ہو جیسے کہ محمد بن ابی بکر صدیق کہ وہ بھی صحابی ہیں اور ان کی روایت موصول نہیں مرسل کے حکم میں ہوگی۔

اور سید جمال الدین محدث شیرازی "روضة الاحباب فی سیر النبی وآلہ الاوصیاء" میں ارقام فرماتے ہیں

اما جمعہ از متاخرین فی حدیث برآئند کہ آن کس کہ در حال طفولیت و عدم تمیز پیغامبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دریافت حدیث او مرسل است از حیثیت روایت لاکن بواسطہ شرف روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وے در جملہ صحابہ معدود است و عمل بسیارے از ائمہ کہ در معرفت صحابہ تصانیف دارند دلالت برین می کنند زیرا کہ مثل محمد بن ابی بکر صدیق را در عداد صحابہ ذکر کرده اند و حال آنکہ پیش از وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بسہ ماہ و چند روز متولد شدہ یلہ

متاخرین محدثین کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ جس شخص نے بحالت طفولیت کس تمیز کو پہنچنے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پایا اس کی حدیث روایت کی حیثیت سے تو مرسل ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ وآلہ وسلم کی رویت کا جو شرف ان کو حاصل ہے اس کی بنا پر ان کا شمار صحابہ کی جماعت میں ہوگا۔ اور بہت سے وہ ائمہ جنہوں نے صحابہ کے حالات میں کتابیں لکھی ہیں ان کا عمل بھی اسی بات کو بتلاتا ہے چنانچہ ان حضرات نے محمد بن ابی بکر صدیق جیسے (کس لوگوں) کو بھی صحابہ کے زمرہ میں ذکر کیا ہے حالانکہ ان کی ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے صرف تین ماہ اور چند روز پہلے ہوئی تھی۔

اس وقت بھی صحابہ کے حالات میں جتنی کتابیں چھپ کر آئی ہیں ان سب میں حضرت محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ذکر صحابہ کے زمرہ میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو۔

۱۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاوصیاء۔ از حافظ امام ابو عمر یوسف بن عبد البر المتوفی ۴۶۳ھ

۲۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ از حافظ عز الدین ابو الحسن علی بن محمد المعروف بابن الاثیر الجزری المتوفی ۷۴۸ھ حافظ ابن الاثیر نے ان کے ترجمہ کے آخر میں یہ بھی تصریح کر دی

ہے کہ ابن منذر، ابو نعیم اصفہانی اور ابن عبد البر حدیث کے ان تینوں اماموں نے معرفۃ الصحابہ پر جو تالیفات کی ہیں ان سب میں ان کا ذکر لکھا ہے

۳۔ تجرید اسماء الصحابہ از امام حافظ شمس الدین الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ

۴۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ۔ از حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ

حافظ صاحب ممدوح نے ان کا مفصل ترجمہ الاصابہ کی قسم ثانی میں من لہ رؤیۃ (جن کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے) کے زیر عنوان کیا ہے۔ اور "تقریب التہذیب" میں فرماتے ہیں :

(س ق) محمد بن ابی بکر الصدیق (س ق) محمد بن ابی بکر صدیق ابوالقاسم ابوالقاسم لہ رؤیۃ و قتل سنۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے، ۳۸ھ ہجری میں ان کو قتل کر دیا گیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان کی تعریف کیا کرتے تھے۔

غور فرمائیے جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی شخصیت ان کی شناخواں ہوتو اب اس کے بعد پھر اور کس کی شہادت درکار ہے۔ ع مدعی لاکھپہ بھاری ہے گو اہی تیری اور حضرت علی کی یہ تعریف بلاوجہ نہ تھی ان سے زیادہ ان کے حال کا اور کون واقف ہوگا؟ یہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے تھے۔ ان کی والدہ ماجدہ حضرت اسماء بنت عیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا قدیم الاسلام صحابیہ ہیں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کی والدہ سے نکاح کر لیا تھا اس لئے انہوں نے حضرت ممدوح ہی کے آغوش تربیت میں پرورش پائی تھی۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں

ونشا محمد فی حجر علی لانه کان تزوج امه (الاصابه)
محمد، حضرت علی ہی کی آغوش تربیت میں پہلے
بڑھے کیونکہ انہوں نے ان کی والدہ سے نکاح کر لیا تھا
اور حافظ ابن الاثیر جزری کے الفاظ ہیں :

وتزوج علی بامه اسماء بنت عمیس بعد وفاة ابی بکر وکان ابو بکر تزوجها بعد قتل جعفر بن ابی طالب وکان ربیبه فی حجره (اسد الغابہ)

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے ان کی والدہ
ماجدہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ
عنہا سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ
عنہ کی وفات کے بعد نکاح کر لیا تھا۔ اور حضرت
ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے نکاح حضرت
جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کے
بعد کیا تھا۔ یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کے لے پالک تھے اور ان ہی کے آغوش تربیت
میں ان کی نشوونما ہوئی تھی۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ان کی تعریف فرمانا ان کی ریاضت اور عبادت کی
بنا پر تھا۔ چنانچہ حافظ ابن عبد البر "کتاب الاستیعاب" میں ان کے ترجمہ میں لکھتے
ہیں : وکان علی بن ابی طالب یتیمی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی تعریف
علی محمد بن ابی بکر و یفضلہ اور فضیلت اس لئے بیان کیا کرتے تھے کہ یہ
لانہ کانت له عبادة واجتهاد عبادت و ریاضت میں سرگرم رہتے تھے۔
یہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے باپ شریکی اور حضرت
عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ماں شریکی بھائی تھے۔ حضرت ام المومنین رضی اللہ
تعالیٰ عنہا کو ان سے ایسی محبت تھی کہ انہیں اپنے بیٹے اور حقیقی بھائی کی طرح سمجھتی تھیں شیعہ
عثمان نے مصر میں ان کو قتل کر کے ان کی لاش کو ایک مردہ گدھے کے پیٹ میں رکھ کر جلا
دیا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جب اس وحشیانہ حرکت کی اطلاع پہنچی
تو آپ شدت غم سے بے تاب ہو گئیں۔ چنانچہ حافظ ابن الاثیر لکھتے ہیں :

ولما بلغ عائشة قتله اشتد علیہا وقالت کنت اعدہ ولدا و اخا و مذ اُحرق لم تاكل عائشة لحما مشویا۔
اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کے
قتل کئے جانے کی اطلاع ملی تو آپ کو سخت قلق ہوا
اور فرمانے لگیں میں تو اس کو اپنا بیٹا اور بھائی سمجھتی
تھی اور جب سے ان کو نذر آتش کیا گیا حضرت ام المومنین
نے بھنا ہوا گوشت تناول نہیں فرمایا۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے الفاظ ہیں :

ولما بلغ عائشة قتله حزنت علیہ جدا و تولت تربية ولده القاسم فنشأ فی حجرها فکانت من افضل اهل زمانہ۔
اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کے
قتل کی خبر ملی تو آپ کو بہت ہی زیادہ اس کا صدمہ
ہوا۔ اور پھر ان کے صاحبزادہ قاسم کو خود اپنے پاس
رکھ کر ان کی تربیت کی چنانچہ وہ ان ہی کی آغوش
تربیت میں پل کر اپنے زمانہ کے افضل ترین لوگوں
میں ہوئے ہیں۔

قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق اس پایہ کے بزرگ تھے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ
اپنے بعد ان ہی کو اپنا جانشین بنانا چاہتے تھے۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ
تعالیٰ عنہا کو اپنے بھائی کے قتل کئے جانے کا جو صدمہ ہوا اس کا حال آپ پڑھ چکے۔ اب
ان کی والدہ ماجدہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دل پر اپنے جواں سال
صاحبزادے کے ساتھ اس وحشت ناک سلوک کی خبر سن کر کیا ہمتی وہ حافظ ابن حجر
عسقلانی کے ان الفاظ سے معلوم کیجئے، فرماتے ہیں :

فلما بلغ قتل ولدها محمد بمصر قامت الی مسجد بیتھا و کظمت غیظھا حتی شخبت ثدیھا دما۔
جب ان کو اپنے صاحبزادے محمد کے مصر میں قتل
بمصر قامت الی مسجد کر دیے جانے کی خبر ملی تو اٹھ کر مسجد میں اپنے
گھر کی مسجد میں چلی گئیں اور اپنے غم و غصہ کو ایسا
ضبط کیا کہ ان کی دونوں پستانوں سے دودھ کی
بجائے خون جاری ہو گیا۔

اب در سوچئے تو محمد بن ابی بکر کس باپ کے بیٹے ہیں اور کس بیٹے کے باپ ہیں، کس ماں کے فرزند ہیں، کس بہن کے بھائی ہیں، کس کے آغوش تربیت میں پلے ہیں، کس فضیلت کے مالک ہیں۔ یہ وہی محمد بن ابی بکر ہیں جن کو ایک نہیں دو خلیفہ راشدین یعنی امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ولایت مصر کے لئے نامزد کر کے روانہ کیا تھا۔ حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دولت ایمان سے مشرف ہونا انھیں کے والد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعوت ایمان کا مہر ہون منت ہے۔ اور پھر ان کی کس کس طرح تحقیر کی جا رہی ہے، اور ان کو کس کس طرح متہم کیا جا رہا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ان کو بدنام کرنے میں ناصبی اور رافضی دونوں برابر کے شریک ہیں۔ ناصبی ان سے اس لئے خفا ہیں کہ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لے پالک ہیں، اور رافضی اس لئے کہ وہ حضرت ابوبکر کے صاحبزادے ہیں۔ ناصبی کہتے ہیں کہ یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خفیہ آلہ کار تھے اور انھوں نے انھیں کے اشارہ پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ہاتھ ڈالا تھا اور رافضیوں کی غوغا آرائی ہے کہ یہ مومنین شیعہ میں سے تھے اور جن مومنین صحابہ نے حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کئے یہ ان میں پیش پیش تھے۔ دونوں پارٹیوں نے اپنے اپنے غلط دعاوی کا اس شدت سے پروپیگنڈا کیا کہ بھولے سنی سنی سنی بات پر یقین کرنے لگے۔

علماء محدثین نے تصریح کی ہے کہ صحابہ کرام کا کوئی فرد اس گھناؤنے جرم کا مرتکب نہیں ہوا۔ چنانچہ امام حافظ تقی الدین سبکی المتوفی ۸۵۰ھ فرماتے ہیں :
اعتقادنا ان امام الحق ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان عثمان وانه قتلہ امام برحق تھے، آپ مظلوم شہید کئے گئے حق تعالیٰ مظلوماً، وحی اللہ الصحابة نے صحابہ کرام کو آپ کے قتل کے ارتکاب سے من مباشرة قتله، فالمتولى محفوظ رکھا لہذا جن نے بھی اس فعل شنیع کا قتله کان شیطاناً مریداً، ثم ارتکاب کیا وہ شیطان نافرمان تھا۔ پھر صحابہ میں

لا تحفظ عن احد منهم الرضا کسی ایک فرد کا بھی آپ کے قتل پر راضی ہونا ثابت بقتلہ انما المحفوظ الثابت عن نہیں بلکہ اس کے برخلاف ان سے اس پر انکار ثابت کل منهم انکار ذلك ہے۔ اور محفوظ ہے۔

اتنا ہی نہیں بلکہ علماء محققین نے نام لے کر ان دونوں حضرات کے متعلق خون عثمان سے برائت کی شہادت دی ہے، چنانچہ حافظ ابن کثیر المتوفی ۷۴۱ھ لکھتے ہیں :
واما ما یذکرہ بعض الناس اور یہ جو بعض لوگ ذکر کرتے ہیں کہ بعض صحابہ من ان بعض الصحابة اسلمہ نے ان کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا اور وہ ان کے ورضی بقتله فهذا لا یصح قتل پر راضی تھے سو یہ بات کسی صحابی کے بارے میں بھی صحیح نہیں کہ وہ قتل عثمان سے راضی ہو بلکہ عن احد من الصحابة انہ رضی بقتل عثمان رضی اللہ عنہ سارے صحابہ نے اس حرکت کو ناپسند کیا اور اس پر عنہ بل کلہم کر رہے و مقتہ نفرین کی اور قاتل کو برا کہا۔ ہاں بعض حضرات و سب من فعلہ۔ ولكن بعضهم جیسے کہ عمار بن یاسر، محمد بن ابی بکر اور عمرو بن الحق کان یؤد لو خلع نفسه من الامر وغیرہ ہیں ان کی یہ خواہش تھی کہ آپ خلافت کعمار بن یاسر و محمد بن ابی بکر و عمرو کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائیں (تو بہتر ہے) بن الحق وغیرہم۔

اور حافظ ابن عبد البر "الاستیعاب" میں حضرت محمد بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ترجمہ میں لکھتے ہیں :

وقد نفی جماعة من اہل علم اور باخبر لوگوں کی ایک جماعت نے اس امر اہل العلم والخبر اتہ کی نفی کی ہے کہ محمد بن ابی بکر خون عثمان میں شریک شارك فی دمہ۔ تھے۔

لیکن اگر اب بھی کسی کو اس پر اصرار ہو کہ یہ دونوں بزرگ قتل عثمان کے مجرم تھے تب بھی

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کوئی حرف نہیں آسکتا ہے کیونکہ حضرت امیر المومنین کی عدالت میں نہ تو ان کے خلاف دعویٰ دائر کیا گیا نہ ان کے خلاف کوئی شہادت پیش کی گئی

(ب)

مدیر "بینات" نے تحریر فرمایا تھا کہ :
 "رہا وہ فریق جس کا عمل محاصرہ تک محدود رہا، اور انھوں نے خون عثمان سے ہاتھ رنگین نہیں کئے ان کی حیثیت باغی کی تھی خود حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی آخری لمحہ تک ان کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت نہیں دی"
 اس پر آپ نے لکھا ہے کہ :

"لیکن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے ساتھ ترک قتال کی خود توضیح ان الفاظ کے ساتھ بیان فرمائی ہے

فقال عثمان فاما ان اخرج فاقاتل فلن اكون اول من خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم في امته يسفك الدماء

یعنی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ "رہی یہ بات کہ میں کل کران سے جنگ کروں تو یہ نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد آپ کی امت میں خونریزی شروع کرنے والا پہلا خلیفہ میں ہوں"

آپ نے یہ سطور لکھ کر مدیر "بینات" کے اس دعویٰ کی تائید فرمائی کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آخری لمحہ تک ان کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت نہیں دی۔ البتہ ان کے خلاف تلوار نہ اٹھانے کی وجہ حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی یہ نقل کی کہ "حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد آپ کی امت میں خون بہانے والا پہلا شخص میں بننا نہیں چاہتا" حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس تصریح سے اولاً تو یہ معلوم ہوا کہ یہ لوگ خارج از اسلام نہ تھے، امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں داخل تھے اور صحیح بخاری میں تو یہ بھی مذکور ہے کہ

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد نبوی میں جب ان لوگوں نے زبردستی نماز پڑھانی شروع کر دی تھی تو لوگوں کو ان کی اقتداء میں جماعت سے پڑھنے کی بھی اجازت دی تھی لہٰذا دوسرے یہ کہ ان سے ترک قتال جائز تھا اور قتال کرنا واجب نہ تھا ورنہ آپ ہرگز یہ عذر پیش نہ کرتے، کیونکہ اقامت حدود اللہ میں یہ عذر نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اب سوچئے کہ ان محاصرین کے خون کا احترام عین حالت محاصرہ میں بھی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں اس قدر ہے کہ وہ اب بھی ان کا خون بہانے کے روادار نہیں۔ اور آپ بھی اس سلسلہ میں حضرت امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مورد الزام بنانے کے لئے تیار نہیں اور نہ وہ مورد الزام بن سکتے ہیں اور نہ کسی نے بنایا ہے تو پھر اگر امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محاصرہ ختم ہو جانے، فتنہ فرو ہو جانے اور بیعت کر لینے کے بعد ان محاصرین کی جان و مال سے تعرض نہ کیا تو اب اس میں طعن کی کیا بات ہے۔ عین بغاوت و محاصرہ کی حالت میں تو ان کی خونریزی سے اجتناب کرنا مستحسن ہوا اور بغاوت فرو ہو جانے اور اطاعت کر لینے کے بعد ان کا قتل کرنا واجب ہو یہ آخر عقل و شرع کے کس قاعدہ کے مطابق ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو ان محاصرین کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو ان کے پیش رو خلیفہ راشد نے کیا تھا اگر عیسیٰ مستحسن تھا تو دونوں حضرات کو خراج تحسین پیش کرنا چاہئے۔ بلکہ اس باب میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے پیرو تھے اور ان کا عذر ان سے بھی زیادہ قوی کہ فتنہ فرو ہو چکا تھا اور فساد ختم ہو گیا تھا۔ اور اگر ان محاصرین سے ترک قتال پر باز پرس ضروری ہے تو پھر پہلے اعتراض حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی پر کیجئے کہ سارا قصہ ان ہی کے عہد خلافت کا ہے۔ حضرت علی کو کیوں مورد الزام بنایا جائے۔

(ج)

مدیر "بینات" نے تحریر فرمایا تھا کہ :

لے ملاحظہ ہو صحیح بخاری "باب اذا لم یتم الامام و انتم من خلفہ"

”یاد رہے کہ میں یہاں صرف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موقف کی وضاحت کر رہا ہوں“

اس پر آپ نے لکھا ہے کہ

”مناسب تو یہ تھا کہ اس نازک ترین مسئلہ کے دونوں پہلو واضح کر دیتے کیونکہ آپ کی اس تحقیق کے بعد حضرت ام المؤمنین الحبیہ السلام اللہ تعالیٰ علیہا اور حلیم امت حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیثیت بالکل ہی مجروح ہو جاتی ہے جو کہ شان صحابہ کے سراسر منافی ہے“

کسی صحابی سے کسی غلطی کا سرزد ہونا یا کسی گناہ کا صادر ہو جانا اس کی شان کے ہرگز منافی نہیں۔ اہل سنت بجز انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کسی اور کو معصوم نہیں سمجھتے۔ روافض البتہ اپنے ائمہ کی عصمت کے قائل ہیں اور ان کے بالمقابل تو اس کا یہ عقیدہ ہے کہ ان حضرات صحابہ سے خطا نہیں ہوتی جنہوں نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ کی تھی۔ اہل سنت کے نزدیک یہ دونوں عقیدے صحیح نہیں سورۃ یوسف میں برادران یوسف کا ذکر تو اپنے پڑھائی ہوگا وہ سب حضرات نبی زادے بھی تھے اور نبی کے صحابی بھی۔ احادیث کی کتابوں میں کتاب الحدود میں صحابہ ہی کے بعض افراد پر حدود کے اجراء کا بھی آپ کو علم ہوگا۔ ان میں بعض ایسے صحابہ بھی ہیں جن کا شمار سابقین اولین میں ہے۔ اور ایسے بھی کہ جن کے جنتی ہونے کی بشارت خود زبان نبوت نے دی ہے جیسے حضرت ماعز اسلمی اور حضرت غامدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ پھر اگر بعض صحابہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ یا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف غلطی سے بغاوت کر دی تو ان کی حیثیت بالکل ہی مجروح کیوں ہوگئی؟ اور شان صحابہ کے سراسر منافی کیوں ٹھہری؟ زیادہ سے زیادہ یہی تو کہا جائیگا کہ وہ غلطی پر تھے۔ مولانا عبد الحلیم شرعیہ مقلد تھے وہ جو چاہیں لکھیں، میں حقیقی ہوں۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ان حضرات کے باب میں یہ ہے

ما قاتل احدًا علیًا الا وعلی جس نے بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ اولیٰ بالحق منہ، ولولا کی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی نسبت حق پر تھے

ما سار علی فیہم ما علم احدًا کیف السیرۃ فی المسلمین۔ اور اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے جنگ کر کے نہ بتلاتے تو کسی کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ مسلمان باغیوں سے کس طرح جنگ کی جاتی ہے

اور

لا شک ان امیر المؤمنین علیا انما قاتل طلحة والزبیر بعد ان بايعاه وحالفاه۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ امیر المؤمنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یقیناً حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ان دونوں کے آپسے بیعت کرنے اور آپ کی اطاعت کا عہد کر لینے کے بعد خلافت رزی کرنے پر ان سے جنگ کی تھی

یہ دونوں اقوال امام حسن بن زیاد نے امام اعظم سے نقل کئے ہیں اور امام صاحب کے دوسرے شاگرد نوح بن دراج امام صاحب سے نقل ہیں کہ :

قال ابو حنیفۃ وسئل عن یوم الجمل فقال سار علی فیہ بالعدل وهو علم المسلمین السنة فی قتال اهل البغی۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا جب کہ آپ سے جنگ جمل کے بارے میں سوال کیا گیا تھا۔ آپ نے کہا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا طریقہ اس جنگ میں بالکل حق و انصاف پر مبنی تھا اور انھوں نے ہی مسلمانوں کو سکھایا کہ باغیوں سے جنگ کرنے کا سنت کے مطابق کیا طریقہ ہے۔

اور امام صاحب کے تیسرے شاگرد بکیر بن معروف، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے راوی ہیں

لو شهدنا عسکر علی بن ابی طالب و اگر ہم حضرت علی بن ابی طالب اور معاویہ کی لشکر کشی کے

معاویہ لکنا مع علی رضی اللہ عنہ موقع پر ہوتے تو ہم معاویہ کے خلاف حضرت
عند علی معاویہ علیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ساتھ دیتے

اور حافظ عبد القادر قرشی، الجواہر المضمیہ میں قاضی محمد بن احمد بن موسیٰ خازن
المتوفی ۳۶۱ھ کے ترجمے میں ان کا یہ بیان نقل کرتے ہیں :

سمعت عی (علی بن موسیٰ القمی) میں نے اپنے چچا علی بن موسیٰ قمی سے سنا وہ
سمعنا ابی سلیمان الجوزجانی فرماتے تھے ہم نے ابی سلیمان جوزجانی سے سنا
سمعت محمد بن الحسن یقول وہ کہتے تھے ہم نے امام محمد بن الحسن شیبانی کو یہ
لولم یقاتل معاویہ علیاً فرماتے سنا کہ اگر معاویہ حضرت علی کے خلاف بغاوت
ظالمات متعدیاً باغیاً کتالا کر کے ظلم و زیادتی کے مرتکب ہو کر قتال نہ کرتے
لہتدی لقتال اهل البغی تو ہم کو یہ معلوم ہی نہ ہوتا کہ باغیوں سے جنگ کس طرح کی جاتی ہے
اور یہ صرف ائمہ حنفیہ ہی کی تصریح نہیں بلکہ ائمہ شافعیہ کی بھی یہی رائے ہے۔

چنانچہ امام ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری المتوفی ۵۰۴ھ حجری اپنی کتاب "معرفۃ علوم الحدیث"
کی النوع العشرون میں "معرفۃ فقہ الحدیث" کے زیر عنوان امام ابن خزمیمہ
صاحب الصحیح سے حدیث

تقتل عماراً الفیثۃ الباغیۃ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو باغی جماعت قتل کرے گی
کے ذیل میں ان کی فقہی بصیرت کی مثال میں بطور نمونہ ان کے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں :
قال ابو بکر فنشهد امام ابو بکر بن خرمیہ فرماتے ہیں کہ (اس حدیث کو
ان کل من نازع امیر سامنے رکھتے ہوئے) اب ہم یہ شہادت دیتے ہیں
المؤمنین علی بن ابی طالب کہ ہر وہ شخص جس نے حضرت امیر المؤمنین علی بن
رضی اللہ عنہ فی خلافتہ فہو ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کے عہد خلافت
باغ، علی ہذا ادرکت میں نزاع کی وہ باغی ہے ہم نے اپنے مشائخ کو اسی
مشائخنا وبہ قال ابراہیم عقیقہ پر پایا ہے۔ اور یہی قول امام محمد بن ابراہیم
رضی اللہ عنہ شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے

اور امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کی خصوصیت نہیں سارے
ائمہ اہل سنت اس بارے میں یک زبان ہیں چنانچہ علامہ عبد الباقی زرقانی "شرح المواہب اللدیہ"
میں رقمطراز ہیں :

قال الامام عبد القادر الجوزجانی امام عبد القادر جوزجانی "کتاب الامامہ" میں
فی کتاب الامامۃ اجمع فقہاء فرماتے ہیں کہ حجاز و عراق کے تمام فقہاء کا خواہ
الحجاز والعراق من فریق اہل ان کا تعلق اہل حدیث سے ہو یا اہل رائے سے
الحديث والرأی منهم مالک ان میں امام مالک، امام شافعی، امام ابو حنیفہ،
والشافعی وابو حنیفۃ والافذا امام اوزاعی اور مسلمانوں کا سوا واعظم اور سب
والجمهور الاعظم من المسلمین متکلمین شامل ہیں ان سب کا اس پر اجماع ہے کہ
والتکلمین علی ان علیاً مصیب فی قتالہ لاهل صفین کما هو
مصيب فی اهل الجمل وأن پر تھے بالکل اسی طرح جس طرح وہ جنگ جمل میں حق
الذین قاتلوه بغاة ظالمون کی وہ بغاوت و ظلم کے مرتکب ہوئے لیکن اس
لمہ لکن لا یکفرون ببغیہم بغاوت سے وہ کافر نہیں ہوئے۔ اور امام ابو منصور
وقال الامام ابو منصور الماتریدی ماتریدی فرماتے ہیں کہ علمائے اہل سنت کا اس پر
اجمعوا علی أن علیاً کان مصیباً اجماع ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرات
فی قتال اهل الجمل طلحة و الزبیر وعائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے خلاف
والزبیر وعائشہ بالبصرۃ و طلحہ و زبیر وعائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے خلاف
اهل صفین معاویہ وعسکرہ جنگ جمل میں جو بصرہ میں ہوئی حق بجانب تھے
وفی روض السہیل انت اور صفین میں بھی حضرت معاویہ اور ان کے لشکر
غاملاً لعمر قال له رأیت سے جنگ کرنے میں حق پر تھے۔ امام سہیلی کی
اللیلۃ کانت الشمس "الروض الانف" میں مذکور ہے کہ حضرت عمر
والقمر یقتتلان ومع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک گورنر نے ان کی فدیہ
میں آکر اپنا یہ خواب بیان کیا کہ آج کی شب میں نے

کل نجوم قال عمر یہ دیکھا کہ سورج اور چاند دونوں میں لڑائی ہوئی
مع ایتھما کنت قال مع اور دونوں کے ساتھ ساتھ ستارے بھی ہیں
القم قال کنت مع الآیۃ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے دریافت
المحوة اذهب لا تعمل کیا کہ تم کس کے ساتھ تھے کہنے لگے میں تو چاند
لما بدأ وعزله فقتل کے ساتھ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
بصفین مع معاویۃ و فرمایا تم تو مٹنے والی نشانی کے ساتھ تھے اس لئے
اسمہ حابس بن سعدیہ اب تم چلد و میری حکومت میں اب تمہیں کبھی کوئی
عہدہ نہیں ملنے کا چنانچہ اپنے ان صاحب کو گورنری
سے معزول کر دیا، اور پھر ان کا انجام یہ ہوا کہ حضرت
معاویہ کا ساتھ دے کر صفین میں قتل ہوئے، ان کا
نام حابس بن سعد تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا اس خواب کی جو تعبیر دی وہ اس کی شریفی
پر مبنی ہے۔ وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ
وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً (اور ہم نے بنائے رات اور دن دو نمونے
پھر مٹا دی رات کا نمونہ، اور بنا دیا دن کا نمونہ دیکھنے کو) رات کا نمونہ چونکہ تاریک
اور مٹا ہوا ہوتا ہے اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو فرمایا کہ تم مٹے ہوئے
نمونے کے ساتھ ہو اس لئے میری خلافت میں تم کسی عہدہ کے قابل نہیں۔ حضرت
عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس تعبیر سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حقانیت اپنی تمام
جنگوں میں روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی۔

اور آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جو "حلیم امت" لکھا ہے کیا یہ کسی حدیث
میں آیا ہے؟ یاد رکھئے خلفائے راشدین کے حلم سے امیر معاویہ کے حلم کو کیا نسبت؟
حافظ ابن عساکر روایت کرتے ہیں:

قیل لشريك القاضی: كان قاضی شریک سے کسی نے کہا کہ کیا معاویہ حلیم
معاویۃ حلیم؟ فقال: لیس بحلیم تھے؟ کہنے لگے جو علی مرتضیٰ سے ناحق جنگ کرے
من سفہ الحق وقاتل علیاً۔ وہ حلیم نہیں ہو سکتا

(۵)

اس کے بعد آپ لکھتے ہیں:
”آپ کی اس تحقیق پر مجھے اپنی کج فہمی یا کم فہمی کے باعث چند خدشات
ہیں۔ حضرت زبیر و طلحہ رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سے مطالبہ کیا
”یا علی انا قد اشترطنا اقامة الحدود ودوان هؤلاء القوم قد اشترکوا
فی دمر هذا الرجل“

اس کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:
”یا اخوتاء انی لست اجهل ما تعلمون ولكن كيف اصنع بقوم يملكوننا
ولا نملكهم“

اس جملہ سے باغیوں کے انقیاد و اطاعت کی وضاحت بھی ہو جاتی
ہے کہ وہ کس درجہ پر مطیع و فرماں بردار تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کے جواب کا یہ مختصر جملہ آپ کی تحقیق کی بھی تکذیب کرتا ہے، اس جواب سے
یہ امر بھی بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخذ قصاص
کے مطالبہ کو مبنی برحق سمجھتے تھے۔

اس روایت کی سند تاریخ طبری میں جو مذکور ہے وہ یہ ہے:

طہ البدایۃ والنهاۃ ج ۸ ص ۱۳۲ طبع بیروت - ترجمہ معاویہ -
۱۰ اے علی ہم نے یہ شرط رکھی تھی کہ حدود کو قائم کیا جائے گا، اور یہ لوگ اس شخص (عثمان) کے
خون میں شریک رہ چکے ہیں۔ ۱۱ بھائیو جس بات کا تمہیں علم ہے میں بھی اس سے ناواقف نہیں
لیکن میں ان لوگوں کا کیا کر سکتا ہوں جو ہم پر قابو پانے میں اور ہمارا ان پر قابو نہیں چلتا۔
۱۲ طبری ج ۳ ص ۴۵۸ بحوالہ ”عادلۃ دفاع“ ص ۱۳۳ ج ۲

وكتب الى السري عن شعيب عن سيف عن محمد وطلحة قال
جنگ جمل پر محمد بن عمر واقدی، اور سیف بن عمر تمیمی دونوں کی مستقل تصنیفیں ہیں
امام طبری، واقدی کی تصانیف کو اپنے استاد حارث بن ابی اسامہ کے واسطے سے ابن سعد
سے روایت کرتے ہیں جو واقدی کے مشہور شاگرد ہیں اور سیف کی تصانیف کو اپنے شیخ
سری بن یحییٰ کے واسطے سے شعیب بن ابراہیم رفاعی سے جو سیف کی کتابوں کے ان سے
راوی ہیں۔ چنانچہ تاریخ طبری میں متعدد مقامات پر یہ سند بالتفصیل مذکور ہے، مثلاً ایک
جگہ لکھتے ہیں

كتب الى السري بن يحيى عن شعيب بن ابراهيم عن

سيف بن عمر عن محمد وطلحة وزياد باسنادهم قالوا

اس روایت میں سری اور شعیب کا نسب مذکور ہے، دوسری جگہ محمد اور طلحہ کے
نسب کا ذکر ہے جو یہ ہے

كتب الى السري عن شعيب عن سيف بن عمر عن محمد بن

عبدالله بن سواد وطلحة بن اعلم وزياد بن سرجس

الاحمرى قالوا۔

اب اس سند کی کیفیت ملاحظہ فرمائیے۔ امام طبری کے شیخ سری بن یحییٰ تو بے شک
صدوق ہیں جیسا کہ ابن ابی حاتم نے "کتاب الجرح والتعديل" میں تصریح کی ہے۔ لیکن سری
کے شیخ شعیب بن ابراہیم جو سیف سے ان کی کتابوں کے راوی ہیں مجہول ہیں، چنانچہ امام
ذہبی "المغنی فی الضعفاء" میں لکھتے ہیں

"شعيب بن ابراهيم الكوفي، الراوى عن سيف كذب فيه جمالة"

اور اپنی دوسری تصنیف "میزان الاعتدال" میں فرماتے ہیں :

سہ تاریخ طبری ج ۳ ص ۴۵۲ طبع دار المعارف مصر ۱۹۶۲ء وایضاً ص ۴۵۰

سہ تاریخ طبری ج ۳ ص ۴۴۳

"شعيب بن ابراهيم الكوفي راوى كتب سيف عنه فيه جمالة"

اتنا ہی نہیں بلکہ حافظ ابن حجر نے "لسان المیزان" میں حافظ ذہبی کی اس
عبارت کو نقل کرنے کے بعد اس پر یہ قیمتی اضافہ اور کیا ہے کہ

ذكره ابن عدي وقال ابن عدي في ان كان ذكره في كتابه او كمله في
ليس بالمعروف وله احاديث جالين في حديثه في ان كان في حديثه
واخبار وفيه بعض النكارة اور خبریں ہیں ان میں کچھ منکر (اوپری) ہیں اور ان
وفيه ما فيه تحامل على روايات في ايسر روايتين في جن من سلفه
السلف۔ حملے ہیں۔

غور فرمائیے تو ان ہی روایات میں یہ روایت بھی آتی ہے جو اپنے پیش کی ہے۔
اور سیف بن عمر تمیمی بھی جن سے شعیب بن ابراہیم کوفی ان کی تالیفات کو روایت کرتے
ہیں، واقدی کی طرح مشہور ضعیف الروایہ ہیں۔ حافظ ذہبی نے "المغنی فی الضعفاء"
میں ان کا تعارف ان الفاظ میں کر لیا ہے

سيف بن عمر التميمي سيف بن عمر بن اسدي ان کی متعدد تالیفات
الاسدي له توالييف متروك ہیں، باتفاق متروک ہیں۔ ابن حبان کا بیان ہے کہ
باتفاق وقال ابن حبان اتهم ان پر زندیق ہونے کا الزام ہے میں (ذہبی) کہتا
بالزندقة، قلت ادرك التابعين ہوں کہ انہوں نے تابعین کو پایا ہے مگر مستہم ہیں،
وقد اتهم قال ابن حبان ابن حبان کہتے ہیں کہ یہ موضوعات (گرہی ہوئی
یروی الموضوعات۔ روایات) روایت کرتے ہیں

سہ ہم نے "میزان الاعتدال" کی یہ عبارت "لسان المیزان" سے نقل کی ہے۔ میزان کا جو نسخہ مصر میں
مطبع السعادة میں ۱۳۲۵ھ میں طبع ہوا ہے اس میں عبارت مسخ ہو گئی ہے تصحیح کر لی جلتے۔ اسی طرح ابن الندیم
کی کتاب الفہرست میں بھی اس مقام پر عبارت غلط ہو گئی ہے اور چونکہ اس غلطی پر اس کے مترجم صاحب متنبہ
نہ ہوتے اس لئے وہ بھی غلط ترجمہ کر بیٹھے۔

ان کے بارے میں کتب رجال میں امام جرح و تعدیل یحییٰ بن معین کی تصریح بھی موجود ہے کہ فلس خیر منہ (ایک پیسہ بھی اس سے زیادہ قیمتی ہے) یعنی ایک پیسے کے بھی برابر نہیں۔

خوب سوچئے ارباب روایت کے یہاں جن کی روایت کی وقعت ایک پیسہ کے برابر بھی نہ ہو مشاہیر اصحاب کے باب میں ان کی روایت کیونکر قابل قبول ہو سکتی ہے؟ اور سیف کے اساتذہ محمد بن عبد اللہ بن سواد اور طلحہ بن الاعلم کے بارے میں کاتب الحروف کو کچھ معلوم نہ ہو سکا کیونکہ ان کا تذکرہ رجال کی متداول کتابوں میں باوجود تلاش کے نہ مل سکا۔ پھر محمد و طلحہ کے بعد کم از کم دوراوی اور ہونے چاہئیں جن کا کچھ نام و نشان نہیں کہ وہ کون تھے، کس خیال کے تھے، کس پارٹی سے تعلق رکھتے تھے، ان کے بارے میں جب تک تحقیق نہ ہو جائے، سنی سنائی باتوں پر کیوں کرا اعتبار ہو۔ یہ بحث نہ روایات کے اعتبار سے ہوتی۔

درایت کے لحاظ سے نظر ڈالی جائے تو خلیفہ وہی ہوتا ہے جو صاحب اقتدار ہو اور جو خود دوسروں کے قابو میں ہو وہ احکام شرع کا خاک نفاذ کریگا اس کی حیثیت تو یہ قالین کی ہوگی جو ہر وقت دوسروں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی طرح ناچار رہے گا۔ پھر کیا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ محض حب جاہ کی وجہ سے عہد خلافت سے چمٹے رہے؟ کہ شریعت کا حکم نافذ نہیں کر سکتے حدود اللہ معطل ہیں اور یہ اطمینان سے خلیفہ بنے بیٹھے ہیں ناصبی حضرات حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے بارے میں یہی تاثر دیتا چاہتے ہیں ہم تو کسی خلیفہ راشد کے بارے میں بھی اس قسم کا تصور نہیں کر سکتے پھر حضرت مرقضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے شجاع و وز گار و مجاہد و شہسوار کا کیا ذکر کہ جن کی شجاعت کے آگے شیرنستان کی حیثیت بھی گرجہ سکیں سے زیادہ نہیں۔ عہد نبوی کا کونسا غزوہ ہے جہاں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی شجاعت کے جوہر نہ دکھائے ہوں۔ خود ان کے عہد خلافت میں جن لوگوں نے ان سے بغاوت کی ان کا کیا حشر ہوا، خوارج نے جان پر کھیل کر مقابلہ کیا آخر سب مارے گئے۔ جنگ جمل میں کس زور کار نے پڑا، سب کو

معلوم ہے۔ شجاعان عرب نے جان کی بازی لگائی مگر نہ ہمت کھائی۔ صفین میں بغاوت شام بڑے ساز و سامان سے آئے۔ بڑی بہادری اور بے جگری سے لڑے مگر اپنی شکست کا یقین ہوتے دیکھ کر آخر قرآن کریم کو نیزوں پر اٹھاتے بن آئی۔ ایسے بلند حوصلہ شجاع و باہمت اور یکہ تاز میدان بسالت کے بارے میں یہ تصور دینا کہ وہ خلیفہ ہو کر اہل حق و عفتد کے ان سے بیعت کر لیں اور مہاجرین و انصار مدینہ کے ان کے جان نثار ہونے کے باوجود چند نفر قاتلین عثمان کے قابو میں تھے اور ان کے سامنے ایسے بے بس تھے کہ ان کا توان پر زور چلتا تھا مگر یہ ان کا کچھ نہ بگاڑ سکتے تھے۔ ہماری سمجھ سے بالکل بالا رہے۔ جن حضرات کی عقل رسا میں یہ بات سمائے وہ شوق سے اس کو اپنے دل و دماغ میں جگہ دیں۔

اور یہ بھی سوچئے کہ جب حضرت طلحہ و حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ عذر جو آپ نے فتنل کیا مان لیا تھا کیونکہ اسی روایت میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان حضرات سے گفتگو کا یہ فقرہ بھی مذکور ہے کہ فہل تردن موضعاً لقدرة علی جس چیز کے تم خواہشمند ہو اس پر قدرت پانے شئ مما تریدون قالوا لا؟ کا موقع کہیں تم کو نظر آتا ہے؟ کہنے لگے نہیں تو پھر ان کو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے آخر اختلاف کی کیا وجہ تھی؟ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ انھوں نے دیدہ و دانستہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قوت کو کمزور کیا۔ اور حدود اللہ کے نفاذ میں ان کے ساتھ کوئی تعاون نہیں کیا ورنہ کہنا چاہئے تھا کہ ہم ہر طرح جانبازی کو حاضر ہیں۔ ان محدودے چند افراد کی کیا حقیقت ہے جو آپ کے کام میں رخنہ ڈال سکیں۔ ہمارے نزدیک تو سیف کی یہ روایت نہ روایت کے معیار پر صحیح اترتی ہے نہ درایت کے معیار پر، محض بے اصل افواہ ہے ہاں یہ بالکل صحیح ہے کہ

”حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخذ قصاص کے مطالبہ کو مبنی برحق سمجھتے تھے“ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو خلیفہ راشد تھے یہ تو ہر ادنیٰ مسلمان بھی جانتا ہے کہ خون ناحق میں قصاص ہوتا ہے۔ یہ کتاب اللہ کا فیصلہ ہے۔ لیکن اگر قاتل خود موقع پر

قتل ہو جائے تو اب کیا اس کی لاش سے قصاص لیا جائے گا یا قاتل موقع واردات سے فرار ہو جائے، اس کو کوئی جانتا پہچانتا نہ ہو، اس کے خلاف کوئی شہادت فراہم نہ ہو عدالت شرعی میں قضیہ پیش نہ ہو۔ اولیاء مقتول نہ قاتل کے خلاف دعویٰ دائر کریں نہ شہادت پیش کریں تو ایسی صورت میں روافض کے اصول پر تو بے شک امام کے ذمے قاتل سے قصاص لینا واجب ہونا چاہئے کیونکہ وہ اپنے ائمہ کو عالم الغیب الشہادہ مانتے ہیں اور جب امام عالم غیب ٹھیرا تو اس کو قاتل کا اتہ پتہ سب کچھ معلوم ہوگا۔ یہ بھی اس کو معلوم ہوگا کہ قاتل زندہ ہے یا مر گیا ہے۔ زندہ ہے تو کس کو نے کھدرے میں چھپا ہے۔ غرض ان کے اصول پر تو چونکہ امام پر ہر چیز کا ظاہر و باطن سب آشکارا ہوتا ہے، اس لئے وہ اس کو ہر جگہ سے جہاں بھی ہو پکڑوا کر بلواسکتا اور کیفر کردار پر پہنچا سکتا ہے لیکن اہل سنت جو حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عالم الغیب والشہادہ نہیں مانتے ان کے نزدیک تو قصاص کا مطالبہ اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جب قاتل معلوم ہو اور اس کے خلاف شرعی شہادت موجود ہو۔ اب جب امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل جو دو چار نفر سے زائد تھے عین موقع پر قتل ہو گئے یا موقع واردات سے فرار ہو کر رات کی تاریکی میں غائب ہو گئے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان مردوں کو کس طرح زندہ کرتے یا ان نامعلوم قاتلوں کو کہاں سے تلاش کر کے لاتے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ولی الدم ان کی شہادت کے بعد تمام کے تمام مدینہ چھوڑ کر شام کو جا چکے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عدالت میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد مدینہ سے نہ کسی متنفس نے قاتلوں کے خلاف کوئی دعویٰ دائر کیا نہ کسی قسم کی کوئی شہادت پیش کی۔ اس بارے میں سیدھا سادھا آئینی اور قانونی طریقہ وہی تھا جو قاضی ابوبکر بن العربی نے العواصم والقواصم میں بیان کیا ہے کہ

وای کلام یکون لعلی۔ لسا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا کہتے
تحت البیعة له۔ لو حضر جس وقت ان کی بیعت مکمل ہوئی تھی اگر اسی وقت
عندہ ولی عثمان وقال له حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوئی ولی الدم آپ

ان الخلیفة قد تملاً علیہ۔ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے عرض کرتا کہ خلیفہ
الف نسمة حتی قتلوه وقت پر ایک ہزار آدمی بلوہ کر کے چڑھ آئے اور
وہم معلومون ماذا کان ان کو قتل کر ڈالا اور قاتل معلوم ہیں تو حضرت
يقول الا اثبت وخذ۔ علی رضی اللہ عنہ اس سے اس کے سوا کیا فرماتے کہ دعویٰ
وفي يوم كان یثیت، الا ثابت کرتے جاؤ اور قصاص لیتے جاؤ اور ایک ہی
ان یثیتوہم ان عثمان کان روز میں یہ سب کچھ ثابت کیا جاسکتا تھا الا یہ کہ
مستحقاً للقتل، وبالله بلوائی یہ ثابت کر دیتے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ
لتعلمت یا معشر المسلمین عنہ قتل کئے جانے کے مستحق تھے۔ اور بخدا
انہ ما کان یثیت علی عثمان گروہ مسلمین تم سب جانتے ہو کہ حضرت عثمان
ظلم أبداً وکان الوقت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں کبھی ثابت نہیں
امکن للطالب وارفق فی کیا جاسکتا تھا کہ انھوں نے ظلم کا ارتکاب کیا
الحال وایسر وصولاً الی ہے۔ یہ موقع طالب قصاص کے لئے ہر وقت تھا
المطلوب۔ حالت بھی مناسب تھی اور مقصد برآری اس صورت
میں زیادہ آسان تھی۔

اسی لئے قاضی موصوف نے باوجودیکہ بعض اوقات وہ نواصب کی لے میں لے ملانے لگتے ہیں آپ کی بیان کردہ حکایت کو جعلی قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں :
فان قیل بايعوه علی ان اگر یہ کہا جائے کہ حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ
یقتل قتلة عثمان۔ قلنا عہما نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے اس
هذا لا یصح فی شرط شرط پر بیعت کی تھی کہ وہ قاتلین عثمان کو قتل
البیعة واثما یبایعونہ کریں گے تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ
علی الحکم بالحق، وهو بیعت میں ایسی شرط لگانا صحیح نہیں بلکہ بیعت
ان یحضر الطالب للدم ان یحضر الطالب للدم تو حق کے مطابق حکم کرنے کے لئے کیا کرتے ہیں
و یحضر المطلوب و تقع اور اس کی صورت یہی تھی کہ خون کا مطالبہ کرنے

الدعوى و يكون الجواب والا عدالت میں حاضر ہوتا مدعا علیہ موجود ہوتا
و تقوم البينة ويقع دعوى دائر ہوتا، جواب سنا جاتا، گواہی پیش
الحکم، فاما على المحبم ہوتی اور پھر فیصلہ ہوتا۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ
علیہ بما کان من قول مطلق عنہ کے خلاف هجوم کر کے خالی خولی باتیں بنانے یا
او فعل غیر محقق او سماع بغیر تحقیق کئے کچھ کر گزر جانے، یا لوگوں کی باتیں
کلام، فلیس ذلک فی دین اس سلسلے میں سننے کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔
الاسلام (ص ۱۳۵ و ۱۳۶)

تاریخ اسلام کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
محاصرین کے پیہم اصرار کے باوجود ان کے اس مطالبہ کو یکسر رد کر دیا کہ مروان کو
ان کے سپرد کر دیا جائے وہ کہتے تھے کہ ایک طرف آپ نے محمد بن ابی بکر کو مصر کی گورنری
کا پروانہ دیکر ہمارے ساتھ مدینہ سے روانہ کیا تھا۔ دوسری طرف راہ میں آپ کا غلام ملا
جو بیت المال کے اونٹ پر سوار تھا اس کی تلاشی لینے پر اس کے پاس سے آپ کا یہ فرما
ملا کہ جب یہ وفد مصر پہنچے تو وفد کے تمام اراکین کو بشمول محمد بن ابی بکر تیغ کر دیا
جائے۔ اس فرمان پر آپ کی ہر بھی ہے۔ مہر آپ کے میر منشی مروان کے پاس تھی۔ ہمیں آپ
کی صفائی قبول ہے آپ فرماتے ہیں غلام میرا ہے، اونٹ بیت المال کا ہے۔ اس
فرمان پر ہر بھی میری ہے مگر مجھے اس امر کی کوئی اطلاع نہیں۔ نہ میں نے یہ فرمان
لکھا نہ اس پر مہر کی تو اب ظاہر ہے یہ حرکت آپ کے کاتب السر (پرائیویٹ سکرٹری)
مروان کی ہے۔ لہذا اسے ہمارے سپرد کیجئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یقین
تھا کہ جیسے ہی مروان کو ان لوگوں کے سپرد کیا گیا یہ اس کی صورت دیکھتے ہی اشتعال
میں آکر اس کا سر قلم کر دیں گے۔ چونکہ مروان کے خلاف اس سلسلہ میں کوئی شرعی شہاد
موجود نہ تھی اس لئے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے مطالبہ کو نظر انداز
کر دیا۔ آخر محاصرہ نے طول کھینچا اور جو ہونا تھا ہو کر رہا۔ غور فرمائیے حضرت
عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک متنفس کی جان بچانے کے لئے اپنی جان قربان کر دی

در محاصرین کا غلط مطالبہ منظور نہ کیا پھر حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کئے سیکڑوں
ہزاروں آدمیوں کو بغیر کسی شرعی ثبوت کے طالبین قصاص کی شمشیر انتقام کے نیچے دیدیتے
ہاں خون عثمان کے قصاص کا مطالبہ کرنے والے اگر قاتلوں کو نام بنام متعین کر کے ان کے
خلاف قتل کی شرعی شہادت فراہم کر دیتے تو بلاشبہ ان کا موقف صحیح ہوتا۔ مگر محاصرین عثمان
کی طرح مجاہدین علی نے بھی امیر المومنین کی ایک نہ سنی۔ البتہ حضرت طلحہ انجیر اور حضرت زبیر
بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ غایت اخلاص کی بات ہے کہ عین میدان جنگ میں جس لمحے
بھی ان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا انھوں نے اپنے اپنے گھوڑوں کی باگیں پھیر دیں اور میدان مصافحہ
سے ہٹ گئے۔ صدیقین کا یہی مقام ہوتا ہے۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی
ساری عمر اپنی اس غلطی پر پچھتاتی رہیں۔ لیکن آج کل کے ناصبی اس بارے میں خود حضرت
امیر المومنین کے تخطیہ کے درپے ہیں۔ جنگ جمل پر ہی غور کیجئے کہ کیا حضرت علی کرم اللہ
تعالیٰ وجہہ نے جنگ ختم ہو جانے کے بعد ان لوگوں میں سے کسی فرد کے خلاف بھی جو آپ
کے مقابلہ میں شمشیر و سنان لیکر اترے تھے کبھی کوئی باز پرس کی تو جہر ہی کہ باغی سے
بغادت کے فرو ہو جانے کے بعد اثناء بغاوت میں جو کچھ قصور بر بنا، بغاوت سرزد ہو
اس کی باز پرس نہیں ہوا کرتی جیسے کہ مرتد سے اثناء ارتداد میں ارتداد کی بنا پر جو جرم سرزد
ہو دوبارہ اسلام لانے کے بعد پھر اس جرم پر سزا نہیں ملے گی

(ھ)

آپ نے لکھا ہے کہ :

”حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے
موقف کی وضاحت خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس طرح فرمائی ہے
ابو سلمۃ الدالانی نے آپ سے پوچھا اتوی لهؤلاء القوم حجة فيما
طلبوا من هذا الدم ان كانوا ارادوا الله عز وجل بذلك قال نعم
قال فتري لك حجة بتاخيرك ذلك قال نعم (طبری ج ۳ ص ۵۹)
بجاءه عاد لانه دفاع ج ۲ ص ۱۵۵“

لے یعنی آپ کی کیا رائے ہے یہ لوگ جو خون عثمان کے انتقام کا مطالبہ کر رہے ہیں اگر ان کا یہ مطالبہ اللہ تعالیٰ
کی رضا کے لئے ہے تو کیا اس سلسلہ میں ان کے پاس کوئی حجت موجود ہے آپ نے فرمایا ہاں میں نے عرض
کیا پھر آپ نے جو اس مطالبہ کو مقرر رکھا ہے تو آپ کے پاس بھی اس کے لئے کوئی حجت فرمایا ہاں۔

امام طبری نے یہ روایت بھی سیف بن محمد تمیمی کی کتاب "وقتہ المجلد" سے نقل کی ہے اور اس کی سند بھی وہی بیان کی ہے جس پر ہم ابھی تفصیل سے کلام کر چکے ہیں۔ اور جو یہ ہے

«کتب الحی السری عن شعیب عن سیف عن محمد وطلحة قالا»

یہ بڑی تفصیلی روایت ہے۔ مگر اس میں طرفین کی حجت کا کچھ بیان نہیں، جس سے بات سمجھ میں آئے کہ دونوں کے دو متضاد موقف کیونکر صحیح ہیں اور ان کی صحت کی کیا دلیل ہے؟ اہل سنت تو تمام جنگوں میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حق پر سمجھتے ہیں اور ان سے لڑنے والوں کو کفر و خطا۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کی خطا، خطا، اجتہادی تھی یا خطا، منکر۔ بہر حال آپ نے طبری کی جو روایت "عادلانہ دفاع" کے حوالہ سے نقل کی ہے اس میں تو کچھ جان نہیں واپس لایا اور لطف یہ ہے کہ خود امام طبری نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد یہ تصریح بھی کر دی ہے کہ اس روایت میں احنف بن قیس کے بارے میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے محدثین کی روایت اس کے خلاف ہے چنانچہ ان کے الفاظ ہیں

واما الذی یرویہ المحدثون من احنف کے بارے میں محدثین کی جو روایت ہے امر الاحنف فغیر ما رواہ سیف عن اس کے برخلاف ہے جو سیف نے اپنے شیوخ سے ذکر من شیوخہ (ج ۲، ص ۴۹) بیان کی ہے۔

اور یہ ابوسلامہ دالانی کون بزرگ ہیں کتب رجال میں تو کچھ ان کا اتنے پتہ معلوم نہیں ہوتا۔ بہر حال جو صاحب سیف تمیمی کی اس روایت کو قبول کرنا چاہیں انھیں اختیار امام یحییٰ بن معین کی تصریح سابق میں گزر چکی ہے کہ سیف کی وقعت ایک پیسہ کے برابر ہے آپ نے اس تحریر میں ایک مقام پر شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی کتاب ازالہ الی کا حوالہ دیا ہے یہ کتاب آپ کے پاس موجود ہو تو ملاحظہ فرمائیں حضرت شاہ صاحب اس میں کیا لکھتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

حضرت مرتضیٰ نیز خطای اجتہادی اور حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی حکم فرمود اخرج ابوبکر جمل کے بارے میں خطا، اجتہادی ہی کا حکم عن ابی البختری قال چنانچہ محدث ابوبکر بن ابی شیبہ نے ابوبکر

مسئل علی عن اهل الجمل قال قیل امشرون هم قال من الشریک فزوا، قیل امنافقون هم قال ان المنافقین لایذکرون اللہ الا قلیلا، قیل فما هم؟ قال اخواننا بغوا علینا۔ و قال علی انی لارجوان نکون کالذین قال اللہ عز وجل و نزعنا ما فی صدورهم من غلی اخوانا علی سرر متقبیلین حدیث له طرق متعددة اخرج بعضها ابوبکر (ج ۲، ص ۲۸۰) ابی شیبہ نے نقل کیا ہے

روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اہل جمل کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیا یہ لوگ مشرک ہیں؟ آپ نے فرمایا مشرک سے تو یہ بھاگ کر آئے ہیں۔ عرض کیا گیا کیا منافق ہیں؟ فرمایا منافق تو حق تعالیٰ کو بہت کم یاد کیا کرتے ہیں۔ اس پر عرض کیا گیا پھر آخر کیا ہیں فرمایا ہمارے بھائی ہیں جو ہم سے باغی ہو گئے ہیں۔ اور یہ بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ ہم سب (قیامت کے دن) ان لوگوں میں ہوں گے جن کے بارے میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے (اور ان کے دلوں میں جو کہ ورت تھی وہ سب ہم نے نکال دی اب یہ سب تختوں پر مینے سامنے بیٹھے ہیں) یہی حدیث ہے جو متعدد طرق سے مروی ہے اور اس کی بعض اسانید کو ابوبکر بن ابی شیبہ نے نقل کیا ہے

اب ملاحظہ کیجئے آپ نے "عادلانہ دفاع" کے حوالہ سے طبری کی جو روایت نقل کی ہے اس میں اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے حدیث کی مشہور کتاب مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ سے جو روایت زبیر قرطاس فرمائی ہے دونوں میں کتنا فرق ہے۔

بین تفاوت رہ از کجا است تا کجا

(۹)

آپ نے لکھا ہے:

"حضرت قعقاع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واقعہ جمل کے وقت طرفین کے درمیان جب مصالحت کی کوشش کی تو حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مصالحت کے لئے یہ شرط پیش کی: قتلة عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

لے یعنی قاتلین عثمان کا کیا ہوگا؟

آپ نے ان کے جواب میں فرمایا :
 فعلی اعذر فی ترکہ الآن قتل قتلة عثمان وانا اخرج قتل
 قتلة عثمان الى ان يتمكن منهم فان الكلمة فی جميع الامصار
 مختلفة (عادلانہ دفاع ج ۲ ص ۱۵۱)

آپ نے یہ تحریر فرمایا کہ عادلانہ دفاع میں حضرت قعقاع کی یہ روایت کس کتاب سے منقول ہے۔ ہم نے اس کو تلاش کیا تو یہ عبارت حافظ ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ میں ملی لیکن اصل روایت امام طبری کی "تاریخ الامم والملوک" میں ہے جو بہت طول طویل ہے۔ ابن کثیر نے اس روایت کا حاصل مطلب لکھا ہے۔ اس روایت کی سند بھی وہی ہے جس پر ہم پہلے بحث کر چکے یعنی "کتب الی السری عن شعیب عن محمد وطلحة باسناد دھما قالا" لہذا ایسی روایت کو مشاجرات صحابہ میں پیش کرنا محض لغو ہے۔ تاہم جناب قعقاع کا اگر یہ بیان آپ کو تسلیم ہے تو یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حمایت میں ہے کہ نہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان قاتلین پر قابو حاصل تھا نہ اس وقت کے ملکی حالات اس امر کے متقاضی تھے اس لئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے قصاص لینے کا معاملہ ان پر قابو پانے اور ملکی حالات کے درست ہونے تک مؤخر کر رکھا تھا۔ پھر جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عذر اس بارے میں مقبول تھا اور شرعی اور عقلی طور پر وہ زیادہ قابل قبول تھا تو حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اس بارے میں ایسی عجلت کیا پڑی تھی جو انہوں نے جناب قعقاع کی اس مقبول بات کو درخور اعتنا نہ سمجھا۔ بہر حال قعقاع کے اس بیان سے جو آپ نے نقل کیا حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے موقف کی صحت خوب واضح ہوئی۔ اور جانب مخالف کا خطا پر ہونا بھی ظاہر ہو گیا۔ لیکن

لہ یعنی پس علی اس وقت قاتلین عثمان کے قتل کرنے میں زیادہ معذور ہیں۔ انھوں نے ان کے قتل کو اس وقت تک کے لئے مؤخر کر رکھا ہے کہ جب تک ان پر قابو نہ پائیں، کیونکہ اس وقت تمام بلاد و امصار میں بات بات میں اختلاف ہے۔

یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان نہیں ہے بلکہ جناب قعقاع نے یہ گفتگو ان حضرات سے بطور الزامی جواب کی تھی۔ اگر قعقاع کا یہ بیان صحیح ہے، اور ان دونوں حضرات نے بھی اس کو صحیح تسلیم کر لیا تو پھر ان کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ساتھ دینا چاہئے تھا تا کہ ان کی قوت مضبوط ہوتی نہ کہ الٹا ان سے جنگ کرنا۔ کہ وہ کسی طرح صحیح نہ تھا۔

(ن)

آپ نے لکھا ہے

"ان مختلف نقول سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ خود حضرت علی اور موقع پر دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اخذ قصاص کے مطالبہ کو ہمہنی برحق سمجھتے تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی فقیہانہ بصیرت سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی بصیرت اور ادراک علمی فائق ہے، آپ اگر عمر نوح کی طویل مدت میں علم فقہ حاصل کریں تب بھی آپ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فقیہانہ بصیرت کی گرد کو نہیں پہنچ سکتے۔ آپ کی تحقیق اگر صحیح ہوتی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ جواب فرماتے :

"میں کس سے قصاص لوں قاتلین تو مارے گئے اور باغیوں نے اطاعت قبول کر لی ہے۔"

آپ نے جتنی نقول پیش کیں سب واہیات ہیں، بھلا مشاجرات صحابہ کے باب میں سیف اور واقدی کی روایات کی بھی کوئی وقعت ہے؟ جناب قعقاع کا بیان آپ کے مفید نہیں بلکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موقف کی تائید اور اصحاب جہل کے موقف کی تردید میں ہے۔ اسی طرح شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کی "ازالۃ الخفاء" کے حوالہ سے جو آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان نقل کیا ہے وہ بھی حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے موقف کی صحت پر دلالت کرتا ہے۔

اور مدیر "بینات" پر جو آپ یہ کہہ کر بر سے ہیں کہ آپ کی فقیہانہ بصیرت سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی بصیرت اور

اور اک علمی فائق ہے۔ آپ اگر عمر نوح کی طویل مدت میں علم فقہ حاصل کریں تب بھی آپ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فقیہانہ بصیرت کی گرد کو نہیں پہنچ سکتے۔

سو عجیب بات ہے۔ مکتوب کے شروع میں تو آپ نے بڑی تواضع سے کام لیا، اور یہاں گھن گرج دکھائی، بندہ خدا مدبر بنیات نے تو اپنی طرف کوئی بات نہ کی وہ تو صرف فقہی مسئلہ بیان کر رہے ہیں۔ اور فقہ کے جملہ مسائل ”باب البغاة“ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہی کے طرز عمل اور ان ہی کے قول و فعل سے ماخوذ ہیں ورنہ آپ ہی بتائیں کہ فقہ کا یہ مسئلہ آخر کہاں سے ماخوذ ہے؟ بندہ خدا ماوشما کی تو حقیقت کیا ہے۔ خود اصاغر صحابہ کا یہ مقام نہیں کہ وہ سابقین اولین کے فضائل کو چھو سکیں، ایک دفعہ حضرت خالد بن الولید اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما کے مابین کچھ درشت کلامی ہو گئی اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا وہ یہ ہے :

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ
قال کان بین خالد بن حضرت خالد بن الولید اور حضرت عبدالرحمن بن عوف
الولید و بین عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان کچھ سخت گفتگو ہوئی۔
کلام فقال خالد تستطیلون اس پر حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے
علینا بایام سبقتمونا بہا۔ نکل گیا کہ تم چند دن پہلے ہم سے اسلام لے آئے
فبلغنا ان ذلک ذکر للنبی تو اب ہمارے خلاف زبان کھولتے ہو۔ پھر ہمیں
صلی اللہ علیہ وسلم فقال پتہ چلا کہ اس بات کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
دعوا لی اصحابی فوالذی کے سامنے آیا تو آپ نے فرمایا کہ میرے اصحاب کو میری
نفسی بیدہ لو انفقتم خاطر چھوڑ دو قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت
مثل احد او مثل الجبال میں میری جان ہے اگر تم احد کے برابر یا پہاڑوں
ذهباً ما بلغت اعمالهم کے برابر بھی سونا خرچ کرو تو ان کے اعمال کو نہیں
رواہ احمد و رجالہ رجال الصصح پہنچ سکتے۔ یہ روایت امام احمد نے اپنی مسند میں روایت
کی ہے اور اس روایت کے سب راوی صحیحین کے راوی ہیں

اور یہی واقعہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ان الفاظ میں منقول ہیں
کان بین خالد بن الولید و حضرت خالد بن الولید اور حضرت عبدالرحمن بن عوف
عبدالرحمن بن عوف بعض ما رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان کچھ خفگی ہو گئی جو لوگوں
میں ہو ہی جایا کرتی ہے تو اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میری خاطر میرے اصحاب کو چھوڑ دو کیونکہ
لی اصحابی فان احدکم لو تم میں سے کوئی شخص اگر احد کے برابر بھی سونا خرچ
الفق مثل احد ذهباً لم يبلغ کرے گا تو ان کے ایک یا آدھے مد کے برابر بھی
مذا احدہم ولا نصیفہ نہیں پہنچ سکتا۔ اس روایت کو بزار نے اپنی مسند
رواہ البزار و رجالہ رجال الصصح میں روایت کیا ہے اور اس روایت کے راوی صحیحین
غیر عاصم بن ابی النجود و قد وثقہ کے راوی ہیں بحیر عاصم بن ابی النجود کے اور ان کی
بھی توثیق کر دی گئی ہے۔

اب ذرا اس پر غور فرمائیے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رتبہ حضرت عبدالرحمن بن
عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کس قدر بڑھ چڑھ کر ہے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ
عنہ کا رتبہ حضرت خالد سیف اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ میں کس قدر کمتر ہے۔ پھر
جب ان دونوں حضرات کے بارے میں زبان رسالت کا یہ فیصلہ ہے کہ اگر خالد سیف اللہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو احد کے برابر بھی سونا خرچ کریں تو وہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ
عنہ کے مد تو کیا نصف مد یعنی ایک ٹل سونے کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔ تو اب حضرت مرتضیٰ
اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مابین جو فرق مراتب اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے
کہ اگر حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نیر اعظم ہیں تو ان کے مقابلہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ
کی حیثیت ایک جھلملاتے ستارے کی ہے، پھر افضی الامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فقیہانہ بصیرت
کے مقابلہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تفقہ کی کیا حیثیت ہے اور حضرت معاویہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فضائل و کمالات اور دینی فہم و فراست میں بھلا حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا نسبت کہ اہل البیت اور اہل یمانیہ - مولانا محمد منظور نعمانی مدیر ماہنامہ الفرقان لکھنؤ نے اس دور کے اہل سنت کے مشہور عالم عبدالشکور صاحب لکھنوی علیہ الرحمۃ جن کی ساری عمر رد و افض میں گزری ہے ان کے غیر معمولی اعتدال کو بیان کرتے ہوئے اس باب میں ان کا کتنا صحیح اور متوازن فیصلہ نقل کیا ہے جو آپ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ فرماتے ہیں :

”صرف ایک مقولہ نقل کرتا ہوں جو مولانا سے میں نے خود اپنے کانوں سے سنا۔ ایک موقع پر حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سابقین اولین کی پہلی صف کے بھی اکابرین میں ہیں، اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ صحابی ہونے کی حیثیت سے ہمارے سترجاء ہیں لیکن حضرت علی مرتضیٰ سے ان کو کیا نسبت؟ ان کی مجلس میں اگر صرف اعتدال (جو توں) میں بھی حضرت معاویہ کو جگہ مل جائے تو ان کے لئے سعادت اور باعث فخر ہے“

اور یہ مولانا عبد الشکور صاحب فاروقی رحمۃ اللہ تعالیٰ ہی کی رائے نہیں خود اکابر صحابہ کا فیصلہ بھی یہی ہے۔ امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے گورنر حابس بن سعد کا خواب سن کر جو تعبیر دی تھی او ان کو ہمیشہ کے لئے اپنے عہدہ داروں کی فہرست سے خارج کر دیا تھا وہ امام سہیلی کی ”الروض الاف“ کے حوالہ سے آپ پڑھ چکے ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے ”ازالۃ الخفاء عن خلافت الخلفاء“ میں خلافت خاصہ کے لوازم پر بڑی عمرہ اور تفصیلی بحث کی ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے منجملہ ان لوازم کے ایک یہ بھی ہے کہ مشاہد خیر جیسے غزوہ بدر وغیرہ میں بھی شرکت ہو۔ چنانچہ اس سلسلہ میں بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :

”ملاحظہ ہو“ محمود احمد عیسیٰ اپنے عقائد و نظریات کے آئینے میں ”از سید علی مطہر نقوی ص ۱۵۷ و ۱۵۸۔ مشائع کردہ“ ادارہ تحفظ ناموس اہل بیت کراچی“

و مبتنی بر ہمین اصل است کلامے کہ
ابن عمرؓ ہمایا کردہ بود کہ با معاویہ بن
ابی سفیان گوید احق بیہذا الامر
منک من قاتلک و قاتل
اباک علی الاسلام
اخرجه البخاری

اور اسی اصول پر حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی وہ بات معنی ہے جو انھوں نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان سے کہنے کے لئے سوچی تھی کہ تمہاری نسبت خلافت کا حق تو اس کا ہے کہ جس نے تم سے اور تمہارے باپ سے اسلام کی سر بلندی کے لئے جنگ کی تھی (پھر علی کے مقابلے میں تمہارا کیا حق بنتا ہے) یہ صحیح بخاری کی روایت ہے

وکلام عبد الرحمن بن غنم شعری فقیہ
شام چون ابوہریرہ و ابوذر داؤد
از نزدیک حضرت مرتضیٰ برگشتند
و ایشان میانہی بودند میان معاویہ
و حضرت مرتضیٰ و معاویہ طلب میکرد
کہ خلافت بگذارد و شوری گرداند
در میان سلیمن فکان مما قال لہما عجبت
منکما کیف جاز علیکما
ما جئتما بہ تدعوان
علیا ان يجعلہما شوری
و قد علمتما انه قد
بایعہ المہاجر و ان
والا نصار و اهل الحجاز

اور اسی بنا پر فقیہ شام عبد الرحمن بن غنم رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا جب حضرت ابوہریرہ و ابوذر داؤد رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پلٹ کر آئے تھے۔ یہ دونوں حضرات حضرت معاویہ و حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مابین درمیانی واسطہ تھے۔ معاویہ کا مطالبہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت سے درست بردار ہو کر اس عالم کو مسلمانوں میں شوری کے سپرد کر دیں تو حضرت عبد الرحمن بن غنم نے ان دونوں حضرات سے کہا کہ آپ جو کچھ کر رہے ہیں اس پر تعجب ہے آپ کے لئے یہ کیسے جائز ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس بات کی دعوت دیں کہ وہ معاویہ شوری کے سپرد کر دیں؟ حالانکہ آپ کو علم ہے کہ علی سے مہاجرین انصار

”صحیح بخاری“ اور ”الاستیعاب“ دونوں کتابوں کی ان روایات سے پتہ چلا کہ قبل از اسلام باپ کے ساتھ بیٹے بھی حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلسل برسر جنگ رہے ہیں۔

العراق وان من رضىه خير
ممن كرهه ، ومن
بايعه خير ممن لم
يبايعه ، و اى مدخل
لمعاوية فى الشورى وهو
من الطلقاء الذين لا يجوز
لهم الخلافة ، وهو وابوه
رؤس الاحزاب فندما على
مسيرهما وتابا بين يديه
اخرجه ابو عمر فى الاستيعاب
(ج ۱ - ص ۱۱ و ۱۲)

اور اہل حجاز و عراق بیعت کر چکے ہیں اور جو حضرات
علی کو پسند کرتے ہیں وہ ان لوگوں سے بہتر ہیں
جو ان کو پسند نہیں کرتے اور جنہوں نے ان سے
بیعت کی ہے وہ ان سے بہتر ہیں جنہوں نے ان سے
بیعت نہ کی اور معاویہ کا بھلا شوریٰ میں کیا دخل
وہ تو طلقاء میں سے ہیں جو خلافت کے اہل نہیں ،
اور معاویہ اور ان کے باپ تو غزوہ احزاب میں کفار
کے سہ راہ رہ چکے ہیں ۔ یہ سن کر دونوں حضرات
نے ان کے سامنے اپنی آمد پر ندامت کا اظہار کیا اور
اس بات سے توبہ کی ، امام ابو عمر بن عبد البر نے اس
روایت کو الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں نقل کیا ہے ۔

اس پر بھی نظر ڈالئے کہ معرکہ صفین میں طرفین سے کتنے بزرگ کس کے ساتھ تھے
علامہ محدث محمد بن عبد الباقي زرقانی "شرح مواہب لدنیہ" میں رقمطراز ہیں :
فخرج اليه على في اهل
العراق في سبعين الفا فيهم
تسعون بدريا وسبع مائة
من اهل بيعة الرضوان
واربع مائة من سائر
المهاجرين والانصار وخرج
معاوية في اهل الشام
في خمسة وثمانين الفا ليس
فيهم من الانصار الا النعمان بن
بشير ومسلمة بن مخلد (ج ۲ ص ۲۱۶)
کے شریک ہونے کا تو کیا سوال ؟

سہ " طلقاء " وہ لوگ ہیں جو فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے اور ابھی ضعیف الایمان تھے ۔

اور خود قرآن کا فیصلہ ہے
لَا يَسْتَوِيٰ مِنْكُمْ مَنْ اَفَقَّ
مَنْ قَبِلَ الْفَتْحَ وَقَاتَلَ ۚ
اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنْ
الَّذِينَ اَنفَقُوا مِنْ بَعْدِ
وَقَاتَلُوْا ۚ وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى

برابر نہیں تم میں جس نے فتح مکہ سے پہلے خرچ
کیا اور جنگ کی ، ان لوگوں کا درجہ بڑا ہے ان
جنہوں نے اس کے بعد خرچ کیا اور جنگ کی
اور سب سے اللہ تعالیٰ نے خوبی کا وعدہ کیا ہے
وَقَاتَلُوْا ۚ وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى

اب ظاہر ہے کہ حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو سب سے پہلے اسلام لانے والوں
میں ہیں ، اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے اکیس سال بعد فتح مکہ کے موقع پر
اسلام لائے ہیں پھر دونوں کا باہمی مقابلہ کیا ۔ اور جنگ صفین کے بارے میں تو خود حدیث
متواتر نے فیصلہ کر دیا کہ حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق پر تھے اور ان سے لڑنے
والے باغی و خاطی ، پھر اس باب میں حضرت معاویہ کو حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کے مقابل لانا خالص ناصبیت ہے جو نص قرآن و سنت متواترہ کے خلاف ہے ۔ خوب
یاد رکھیے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر فضیلت دینا جس
کا نام " تشیع " ہے اس بدعت سے کہیں کم ہے جس کا نام " ناصبیت " ہے ۔ یعنی
حضرت معاویہ کو حضرت علی کے مقابلہ میں ترجیح دینا ۔ کیونکہ حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ
عنہ تو سابق اسلام میں حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ برابر کے شریک ہیں
اور ان ہی کی صفت کے آدمی ہیں ۔ لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو سرے سے
نہ مہاجر ہیں نہ انصاری ، سابقین اولین کا تو ذکر ہی کیا بلکہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ
سے بغاوت کر کے وَالَّذِيْنَ اَتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ کی فضیلت سے بھی محروم ہے ۔
پھر ان کا اور حضرت مرتضیٰ کا باہمی مقابلہ کیا ؟

ان حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما یقیناً سابقین اولین میں داخل ہیں
اور انہیں اکابر کی صف میں شامل ہیں جن میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہیں ۔
بس بات اتنی ہے کہ باغیوں سے ترک قتال کے مسئلہ میں جس طرح حضرت مرتضیٰ رضی اللہ
عنہ رفض نہیں کر وہ کفر تک پہنچا دیتا ہے ۔

کو شرح صد ہوا ان حضرات کو نہ ہو سکا۔ جیسے مانعین زکوٰۃ سے قتال کے مسئلہ میں جس طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شرح صدر ہوا تھا خود حضرت فاروق اعظم اور حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو نہیں ہو سکا تھا اور یہ دونوں حضرات اس وقت باصرہ تمام صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان سے قتال کرنے سے مانع تھے۔ لیکن بعد میں مسئلہ ان دونوں حضرات کی بھی سمجھ آ گیا اور مانعین زکوٰۃ سے قتال پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ یہی صورت یہاں پیش آئی۔ حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تفسیر فی الدین اور مساکین قضاء کے علم میں اس وقت جتنے بھی صحابہ روئے زمین پر موجود تھے ان سب پر فائز تھے اور یہ تو اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ افضل ترین امت ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن عبد البر کتاب الاستیعاب میں لکھتے ہیں :

ما اجمع علیہ اهل السنة تمام اہل سنت کا سلف سے لے کر خلف تک
من السلف والخلف من فقہاء ہوں یا محدثین اس پر اتفاق ہے کہ حضرت
اهل الفقه والاثار ان علیاً علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ
افضل الناس بعد عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد امت میں سب سے افضل ہیں۔ یہ ایسا مسئلہ
تعالیٰ عنہ و هذا لما لم يختلفوا ہے جس میں اہل سنت کا سرے سے کوئی اختلاف
نہیں ہے۔

اور یہ بھی تمام فقہاء اہل سنت کی تصریح ہے کہ مسائل بغاۃ میں حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی تمام امت کے قدوہ اور امام ہیں چنانچہ فقہ کی تمام کتابوں میں کتاب الجہاد والسیر میں جب ”باب البغاۃ“ شروع ہوتا ہے تو اس کے مسائل میں صرف حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے طرز عمل ہی سے استدلال کیا جاتا ہے۔ یہی حقیقت ہے جس سے فقہ کا کوئی طالب علم نا آشنا نہیں۔ غرض بغاۃ کے مسائل کا علم جتنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تھا اتنا امت میں کسی کو نہ تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے حادثہ فاجعہ نے ان حضرات کے قلوب پر بہت زیادہ اثر کیا تھا جن کے

پاس مختلف بلاد و امصار سے لوگ آ کر عثمان کی شکایت کرتے تھے اور یہ حضرات ان کو لے کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوتے، ان کی شکایتیں پیش کرتے اور ان کے ازالہ کی کوشش کرتے تھے ان میں حضرت علی بھی تھے، حضرت طلحہ بھی اور حضرت زبیر بھی رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اپنی طرف سے کسی کو بھیج کر ان کی شکایت دربار خلافت میں پہنچا دیا کرتی تھیں۔ محاصرین عثمان میں بیشتر تعداد ان ہی لوگوں کی تھی جن کی شکایات کے ازالہ کی یہ حضرات کوشش کیا کرتے تھے۔ محاصرہ کے وقت یہ کسی کو خیال بھی نہ تھا کہ نوبت یہاں تک پہنچے گی کہ بعض نابکار اشتعال میں آ کر خود خلیفہ وقت کا کام تمام کر دیں گے۔ لیکن جب یہ ناشدنی امر ہو کر رہا اور خلیفہ عادل کو ناحق قتل کر ڈالا گیا تو ان حضرات کے دل میں یہ احساس شدت سے ابھر کہ ہم جن لوگوں کی دربار خلافت میں نمائندگی کرتے رہے ہیں انھوں نے ظلم یہ کیا کہ محاصرہ کر کے خود خلیفہ ہی کو شہید کر دیا لہذا ان سے باز پرس ضروری ہے اور ان سے انتقام لینے بغیر ہمیں چین سے بیٹھنا نہ چاہیے۔ ورنہ قیامت میں خلیفہ مظلوم کے خون ناحق کی کہیں خود ہم سے باز پرس نہ ہو۔ یہ موقف تھا اصحاب جمل کا اور حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا موقف یہ تھا کہ مظاہرین اور محاصرین کے ہر فرد سے انتقام لینا صحیح نہیں بلکہ جن لوگوں نے اشتعال میں آ کر اس فعل شنیع کا ارتکاب کیا ہے اصل مجرم وہی ہیں اور انھیں سے قصاص لینا چاہیے۔ باقی جن لوگوں نے اطاعت کر لی اب ان سے باز پرس نہ کی جائے اور گو اس وقت وقتی طور پر حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اپنے موقف کی صحت پر اصرار رہا لیکن جب عین معرکہ میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو قائل کیا تو ان حضرات کو بھی اپنے موقف کی صحت سے رجوع کرنا پڑا۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی زلزالہ الخفاء میں لکھتے ہیں :

باز ازین عزیزان کلمات پھر ان بزرگوں سے ایسے اقوال مروی ہیں جو اس
دالہ بر رجوع ازین رائے منقول امر پر دلالت کرتے ہیں کہ ان حضرات نے اپنی
شدہ۔ اخراج ابو بکر رائے سے رجوع کر لیا تھا۔ چنانچہ ابو بکر ابن ابی شیبہ

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت وردت انی کنت غصنار طبا ولم اسر مسیری هذا، وقد روى بطرق متعددة ان علیاً قال يوم الجمل للزبير انشدك الله اتذكر يوماً اتانا النبي صلى الله عليه وسلم وانا انا جيك فقال اتناجيه فوالله ليقا تلنك يوماً وهولك ظالم قال فضرب الزبير وجهه دابة فانصرف - اخرج ابو بكر وغيره ثم قتله ابن جرموز - واخرج ابو بكر عن قيس قال رمى مروان بن الحكم يوم الجمل طلحة بهم في ركبتة فجعل الدم ينفذ ويسيل فاذا امسكوه امسك واذا تركوه سال فقال طلحة دعوه انما هو سهم ارسله الله فمات - واخرج

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی ہیں کہ انہوں نے فرمایا کاش میں ایک ہری بھری ٹہنی ہوتی اور اس پہنگامہ میں نہ نکلتی، نیز متعدد طرق سے مروی ہے کہ جنگ جمل کے دن حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تمہیں وہ دن یاد ہے کہ جس دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہم دونوں کے پاس تشریف لائے میں اس وقت تم سے سرگوشی کر رہا تھا تو آپ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا تم ان سے کیا سرگوشی کر رہے ہو خدا کی قسم ایک دن ایسا آئے گا جب یہ تم سے جنگ پر کمر بستہ ہوں گے حالانکہ تمہارے بارے میں یہی ظالم ہوں گے۔ راوی کا بیان ہے کہ یہ سنتے ہی حضرت زبیر نے اپنے گھوڑے کے منہ پر چابک رسید کیا اور فوراً پلٹ گئے۔ یہ روایت امام ابو یوسف بن ابی شیبہ وغیرہ محدثین نے کی ہے۔ میدان پلٹ جانے کے بعد ان کو ابن جرموز نے شہید کر دیا اور یہ بھی ابو بکر بن ابی شیبہ نے قیس بن ابی ہازم سے روایت کیا ہے کہ جمل کے دن مروان بن الحکم نے حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھٹنے میں ایسا تیر مارا کہ خون جاری ہو کر پہن لگا لوگ جب خون پر ہاتھ رکھتے تو روک جاتا اور جیسے ہی چھوڑتے ہٹا شروع کر دیتا۔ یہ کیفیت دیکھ کر حضرت طلحہ رضی اللہ

الحاکم عن ثور بن مجزاة - قال مررت بطلحة يوم الجمل آخر رمق فقال لی ممن انت قلت من اصحاب امیر المؤمنین علی فقال ابسط یدک اباعک فبسطت یدی قبایعنی وقت نفسه ، فانت علیاً فاخبرته فقال الله اکبر صدق رسول الله صلى الله عليه وسلم ابی الله ان یدخل طلحة الجنة الا وبیعتی فی عنقه (ج ۲ - ص ۲۸۰)

نے فرمایا چھوڑ دو یہ تیرا اللہ میاں کی طرف سے آیا ہے چنانچہ اسی تیرے آپ کی شہادت واقع ہوئی۔ اور مستدرک حاکم میں ثور بن مجزاة سے روایت ہے کہ جنگ جمل میں میرا گزر حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے ہوا ابھی ان میں زندگی کی آخری رمق باقی تھی انہوں نے مجھ سے دریافت کیا تم کون ہو؟ میں نے عرض کیا امیر المؤمنین علی کے اصحاب میں سے ہوں فرمایا ہاتھ بڑھاؤ میں تم سے بیعت کرنا چاہتا ہوں، میں نے ہاتھ بڑھا دیا اور انہوں نے مجھ سے حضرت علی کی بیعت کی اور اسی دم ان کی روح بھی پرواز کر گئی میں نے حضرت علی کی خدمت میں کمر صورت حال عرض کی آپ فرمایا اللہ اکبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔ حق تعالیٰ نے نہ چاہا کہ طلحہ میری بیعت کئے بغیر داخل جنت ہوں۔

اصل بات یہ ہے کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سانحہ رحلت کے ہوش ربا واقعہ نے وقتی طور پر بعض اکابر صحابہ کے دل و دماغ پر شدتِ غم سے ایسی کیفیت طاری کر دی تھی کہ وہ بعض معاملات میں بروقت صحیح فیصلہ نہ کر سکے لیکن حق تعالیٰ نے جانشینِ پیغمبر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس وقت مقامِ تمکین پر فائز رکھا اور باوجود اس کے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے داغِ مفارقت کا سب سے زیادہ اثر قلبِ صدیق ہی پر تھا مگر آپ کسی مقام پر بھی شدتِ جذبات سے مغلوب نہ ہوئے اور جو مسئلہ بھی پیش آیا اس کے بارے میں بروقت صحیح فیصلہ فرمایا۔ یہی کیفیت کم و بیش حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مظلوماً شہید ہو جانے پر پیش آئی۔ کہ بہت سے حضرات اکابر صحابہ میں سے بھی اس وقت شدتِ جذبات میں صحیح فیصلہ کرنے سے

قاصر رہے مگر حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اس وقت خلافت نبوی کے منصب پر فائز تھے ان کو حق تعالیٰ نے مقام تمکین پر فائز فرمایا اور جو مسئلہ بھی اٹھا بر وقت اس کے بارے میں صحیح فیصلہ صادر کرنے کی توفیق ارزانی فرمائی۔ یہ الگ بات ہے کہ چونکہ آپ کی نسبت بارونی تھی جیسا کہ صحیح حدیث میں آتا ہے انت منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ (تم کو تو مجھ سے وہی نسبت ہے جو حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھی) اور حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء اولوالعزم سے تشبیہ دی ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت ابراہیم و عیسیٰ علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام سے اور حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت نوح و حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام سے اس لئے جیسا امت کا اتحاد و اتفاق خلافت شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں ظاہر ہوا حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں نہ ہو سکا۔ یہ ایک امر واقعہ ہے کہ حضرت شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو انبیاء اولوالعزم سے مشابہت کی بنا پر حق تعالیٰ کی طرف سے وہ تمکین و اقتدار نصیب ہوا جو حضرات ختینین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو نصیب نہ ہو سکا۔ اور حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چونکہ حضرت ہارون علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے مشابہت تامہ حاصل تھی اس لئے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غیر موجودگی میں امت حضرت ہارون علیہ السلام کی اتباع میں جمع نہ ہو سکی۔ حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں بھی ان کی اقتدار میں جمع نہ رہ سکی۔ مگر اس میں حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوئی قصور نہ تھا۔ وقت و وقت کی بات ہوتی ہے۔ اہل سنت کے نزدیک حضرات خلفاء راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے باہم فرق مراتب میں فضیلت کے اعتبار سے ہی ترتیب ہے جس ترتیب سے حق تعالیٰ نے ان کو خلافت نبوی کے منصب رفیع پر سرفراز فرمایا تھا۔ آیت استخلاف میں تمکین و اقتدار کے ظہور کا جو وعدہ الہی تھا وہ بھی ہر خلیفہ کے عہد میں اس کے نمایان نشان ہی ظاہر ہوا ہے۔ اسی کے ساتھ اہل سنت کا یہ بھی اجماعی عقیدہ ہے

کہ حضرات ختینین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرح خلیفہ راشد ہیں۔ اور بحیثیت خلیفہ جو بھی ان دونوں حضرات نے اقدام کیا وہ سراسر حق و صواب تھا اور اس لئے اس سلسلہ میں ان کے کسی فعل پر طعن کرنا صحیح نہیں۔ اور ان دونوں حضرات کے طرز عمل پر فحاشی لفظین کو جو بھی شکوک و شبہات تھے وہ مبہنی بر حقیقت نہ تھے۔

(ح)

بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ جس طرح خلفاء راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں باہمی فضیلت اسی ترتیب سے ہے جس ترتیب سے یہ حضرات خلافت نبوی کے منصب پر سرفراز ہوئے اسی طرح ان حضرات کے اعمال کا بھی حال ہے کہ افضل کے حصے میں حق تعالیٰ کی جانب سے افضل عمل عطا ہوا ہے۔ اب اس مقدمہ کی روشنی میں مسئلہ قتال پر نظر ڈالئے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قتال اہل بدعت کے امام ہیں چنانچہ مرتدین کی سرکوبی آپ ہی کے حصے میں آئی۔ حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ قیصر و کسری کا تاج و تخت الٹا ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے باج گزاروں کو زیر کیا ہے۔ ان دونوں حضرات کے حصے میں مجوس و اہل کتاب کا قتال آیا ہے اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ قتال اہل کتاب و مجوس کے امام ہیں۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں قتال بغاۃ آیا ہے اور وہ قتال اہل قبلہ کے امام ہیں۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں :

و کلمۃ والذین اذا اصابہم البغی اور آیت شریفہ والذین اذا اصابہم البغی
ہم ینتصرون منطق است بر ہم ینتصرون (اور وہ لوگ کہ جب ان کے خلاف
بغاوت ہو تو وہ بدلہ لیتے ہیں) حضرت علی رضی اللہ
تعالیٰ عنہ پر منطبق ہے۔ کیونکہ ان کے ایام خلافت
میں جو خاص بات کہ واقع ہوئی اور جس کے انجام دہی
میں آپ مفرد ہیں وہ قتال بغاۃ ہی ہے

اب اس پر غور کیجئے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے ایام خلافت میں بغاوت کا ظہور کس کس فرقہ کی جانب سے ہوا۔ شاہ ولی اللہ صاحب قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین میں لکھتے ہیں :

اعتماد بندہ بر احادیث صحیحہ است ، بندہ کا اعتماد احادیث صحیحہ پر ہے۔ حضرت
عن ابی ایوب الانصاری قال ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے
امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت
علی بن ابی طالب لقتال الناکثین علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ
والقاسطین والمارقین "ناکثین" (پیمان شکن) اور "قاسطین" (ظالم)
اخرجہ الحاکم وعن ابی سعید اور "مارقین" (دین سے فراریوں) سے جنگ کریں
نحو ذلک۔ اس روایت کو حاکم نے روایت کیا ہے۔ اور

پس لفظ ناکثین وقاسطین حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی
ومارقین باظہار وصفہ کہ مبیح اسی مضمون کی روایت کی ہے۔ پس ناکثین و
قتال باشد دلالت می کند قاسطین ومارقین کے الفاظ جو اس وصف
بر آنکہ این قتال حق است، کو ظاہر کرتے ہیں کہ جس کی بنا پر قتال مباح
وہمچنین لفظ "امر" اگر محفوظ باشد ہو جاتا ہے، اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ
واللہ اعلم دلالت می کند بر اباحت یہ قتال حق ہے، اور اسی طرح اگر لفظ "امر"
قتال یا وجوب آن، و این ہمہ بھی روایت میں محفوظ ہے واللہ اعلم تو وہ
اقتضاء می کند کہ خلافت مرتضیٰ قتال کی اباحت یا اس کے وجوب کو بتلاتا ہے
منعقد بود۔ اور یہ سب امور مقتضی ہیں کہ خلافت مرتضیٰ
منعقد ہو گئی تھی۔

اور ازالۃ الخفاء "میں بھی فرماتے ہیں :

و خبر دادند کہ مرتضیٰ را باقریش و خبر دادند کہ مرتضیٰ را باقریش
مناقشات خواہد افتاد و باناکثین مناقشات خواہد افتاد و باناکثین
ومارقین وقاسطین جنگ واقع ومارقین وقاسطین جنگ واقع
خواہد شد، و خبر دادند کہ یکے خواہد شد، و خبر دادند کہ یکے
از اہبات المؤمنین را در فلاں جا از اہبات المؤمنین را در فلاں جا
کلاب بناح خواہند کرد و دوسے کلاب بناح خواہند کرد و دوسے
در بلائے خواہد افتاد و در آخر در بلائے خواہد افتاد و در آخر
خلاص خواہد شد، و عمار بن یاسر خلاص خواہد شد، و عمار بن یاسر
را فتنہ باغیہ خواہند کشت، و بر را فتنہ باغیہ خواہند کشت، و بر
دست ادلی الناس بالحق جماعہ بارہ دست ادلی الناس بالحق جماعہ بارہ
ہلاک خواہند شد آیتہم رحیل ہلاک خواہند شد آیتہم رحیل
مشدودن۔ مشدودن۔

ایسا ہو گا جس کا ایک ہاتھ ناقص الخلقیت ہو گا۔
"ناکثین" و "قاسطین" و "مارقین" کون تھے ان کا تعارف "قرۃ العینین"
کے حاشیہ میں ان الفاظ میں کرایا گیا ہے۔

"ناکثین" از نکث است "ناکثین" نکث سے مشتق ہے جس کے معنی
بمعنی عہد شکن مراد از ان اہل اقدو عہد توڑنے کے ہیں اور ان سے مراد اہل جبل
جبل ہستند کہ اول با علی مرتضیٰ بیعت ہیں کہ جنہوں نے پہلے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ
کردند باز بیعت شکستہ با او قتال تعالیٰ عنہ سے بیعت کی اور پھر بیعت توڑ کر ان
نمودند۔ و مراد از قاسطین "اہل سے جنگ شروع کر دی، اور "قاسطین" سے مراد
شام اندواز "مارقین" خارجیان اہل شام ہیں اور "مارقین" سے مراد خارجی ہیں

اور خود شاہ ولی اللہ صاحب کے "ناکثین" اصحاب جیل کے بارے میں الفاظ یہ ہیں :

مذہب اشاعرہ آنست کہ خلافت
مرقظے منعقد شد بہ بیعت اہل حل و
عقد از مہاجرین و انصار و طلحہ و
زبیر لاسلم کہ خروج ایشان بنا بر
انکار خلافت مرقظی باشد بلکہ
خلافت اور اسلم داشتند و
طلب کردند قصاص عثمان را
باستعمال و تانی نکردند تا ببینند
کہ مرضی مرقظی چیسرت، پس
ازین جہت بغی از ایشان
واقع شد کہ
اشاعرہ کا مذہب یہ ہے کہ حضرت مرقظی رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کی خلافت حضرات مہاجرین و انصار
میں اہل حل و عقد کے آپسے بیعت کر لینے کی وجہ
سے منعقد ہوئی۔ اور ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ طلحہ و
زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا خروج کرنا اس بنا پر
تھا کہ وہ حضرت مرقظی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت
کے منکر تھے بلکہ آپ کی خلافت کو تسلیم کرتے
ہوئے اس امر کے خواہاں تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کا قصاص جلد از جلد لے لیا جائے
اور اس سلسلہ میں ان حضرات نے تامل سے کام
نہیں لیا دیکھتے تو یہی کہ حضرت مرقظی رضی اللہ تعالیٰ
عنہ کی مرضی کیا ہے۔ پس اس بنا پر ان سے بغاوت
واقع ہوئی۔

اور "قاسطین" اہل شام کے بارے میں فرماتے ہیں :

و وقوع بغی از معاویہ و نصب
از مروان
ناصبیت۔

اور اہل شام کے باغی ہونے کی تصریح تو خود حدیث صحیح متواتر میں موجود ہے
چنانچہ سابق میں "ازالہ الخفاء" کے حوالہ سے نقل کیا جا چکا ہے کہ۔
عمار بن یاسر رافضی باغیہ خواہند حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو
کشت باغی جماعت شہید کرے گی۔

البتہ اس حدیث کے سلسلہ میں شاہ صاحب ممدوح نے ایک نکتہ کی طرف

لہ قرۃ العینین ص ۲۸۰ لہ ایضاً ۲۴۰

مستوجب فرمایا ہے جو یہ ہے فرماتے ہیں

دریغایا بدوانست کہ در

حدیث آمدہ در باب عمار قتلہ

الفیۃ الباغیۃ یدعوہم الی

الجنة و یدعوہ الی النار و معنی

حدیث نزدیک فقیر آنست کہ مرقظے

افضل اہل زمان خود بود درایا خلافت

خود و اگر خلافت بافضل زمان راجع

شود اقامت احکام شرعیہ خوب تر

صورت گیرد و اگر بافضل زمان رجوع

نکند تہا و در احکام شرعیہ واقع

میشود و اول موصل است بجنّت و

ثانی بنار۔ پس معنی این حدیث آنست

کہ عمار ہمراہ افضل اہل زمان و احق

ایشان بخلافت در وقت خود خواہد

بود و چون معنی حدیث بر این وجہ تقریر

کردیم فضیلۃ عظمیٰ باشد در حق مرقظی

و طرف مقابل معذور باشد بسبب

خطا اجتہادی

اور ان کے خلف ارشد شاہ عبدالعزیز صاحب "تحفۃ الثنا عشریہ" میں فرماتے ہیں

و ہمیں است مذہب اہل سنت کہ

حضرت امیر در مقامات خود بر حق بود

و مصیب و مخالفان او بر غیر حق و محظی

لہ قرۃ العینین ص ۱۳۶ لہ ص ۲۱۹ طبع نول کشور لکھنؤ ۱۳۲۵ھ

یہاں ایک نکتہ معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت عمار رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کے بارے میں حدیث میں آتا ہے "ان کو

باغی جماعت قتل کرے گی یہ تو ان کو جنت کی طرف

بلا تے ہوں گے اور وہ ان کو دوزخ کی طرف اور

اس حدیث کے معنی فقیر کے نزدیک یہ ہیں کہ حضرت مرقظے

رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ اپنے عہد خلافت میں سب سے افضل

تھے اب اگر خلافت ایسے شخص کو ملے جو اپنے زمانہ میں

سب سے افضل ہو تو احکام شرع کے قائم ہونے کی سب سے

اچھی صورت ہوگی، اور اگر افضل زمان کو نہ مل سکے گی

تو احکام شرع کے نفاذ میں سستی نمودار ہوگی۔ اور

پہلی صورت جنت میں پہنچانے والی ہے اور دوسری

دوزخ میں۔ پس اس حدیث کے معنی یہ ہوتے کہ حضرت

عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے ساتھ ہوں گے جو

اپنے زمانہ میں سب سے افضل اور اپنے وقت میں خلافت

کے ان سب میں زیادہ حقدار ہوں گے، اور جب ہم نے

حدیث کی اس طرح تقریر کی تو حضرت مرقظی رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کے حق میں فضیلۃ عظمیٰ ہوگی، اور طرف مقابل

خطا اجتہادی کے باعث معذور ٹھہرے گا۔

اور ان کے خلف ارشد شاہ عبدالعزیز صاحب "تحفۃ الثنا عشریہ" میں فرماتے ہیں

و ہمیں است مذہب اہل سنت کہ

حضرت امیر در مقامات خود بر حق بود

و مصیب و مخالفان او بر غیر حق و محظی

لہ قرۃ العینین ص ۱۳۶ لہ ص ۲۱۹ طبع نول کشور لکھنؤ ۱۳۲۵ھ

اور دوسرے مقام پر رقمطراز ہیں

ہر جاہل فارسی خوان بلکہ طفل دبستان بھی کہ جس نے
دبستان کہ عقائد نامہ فارسی
اہل سنت را کہ نظم مولانا عبد الرحمن جامی
است خواندہ یادیدہ باشد یقین
می داند کہ اہل سنت قاطبہ اجماع دارند
بر آنکہ معاویہ بن ابی سفیان از ابتداء
امامت حضرت امیر لغایت تفویض امام
حسن با و از بغاۃ بود کہ اطاعت امام
وقت نہ داشت و بعد از تفویض حضرت
امام بد و از ملوک شد۔

اور یہی بات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ان دونوں بزرگوں سے پہلے لکھ چکے ہیں
چنانچہ "مدارج النبوت ودرجات الفتوت" میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے
صنف میں فرماتے ہیں

و خبر داد بحار بہ زیر مر علی را
و پشیمان شدن او از ان و با و از
کردن سگان بر بعضی از داج وے
صلی اللہ علیہ وسلم در "حواب" کہ نام
موضع است میان مکہ و بصرہ کہ کشتہ
می شوند گرد آن کشتگان بسیار و
ظاہر شدن این حال بر عائشہ
نزد بر آمدن او بسوئے بصرہ در واقعہ
جمل۔

و خبر داد عمار بن یاسر را کہ
می کشند او را فتنہ باغیہ پس کشتند
یا سر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کہ ان کو باغی لوگ شہید
اور اصحاب معاویہ و این خبر نزدیک
کرد اہل گے۔ چنانچہ معاویہ کی فوج نے ان کو
قتل کر ڈالا اور یہ حدیث تواتر کے قریب ہے
بتواتر است۔

اور اس سے کچھ پہلے ارقام فرمایا ہیں :

بعد از ان خلیفہ مطلق و امام برحق
علی مرتضیٰ شد کہ کرم اللہ وجہہ و لیکن
مردم قدر و مرتبہ اور انشا خداوند
و براہ خلاف و نزاع سے رفتند و کمر
بمخالفت او محکم بر بستند پس شد آنچہ
شد۔ انا للہ وانا الیہ راجعون
تورپشتی کہ از علمائے فقہ
و حدیث و حنفی المذہب است
در کتاب عفت مد نوشتہ است کہ
مخالفتان علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سہ
قسم اند جماعہ اور انشا خداوند
قوی محبت دنیا و زیدند و جمعہ خطا
در اجتہاد کردند، و گفتہ است
در عائشہ صدیقہ و طلحہ و زبیر جز
این اعتقاد نہ توان کرد۔

پھر ان (حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے
بعد خلیفہ مطلق و امام برحق حضرت علی مرتضیٰ
کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہوئے لیکن لوگوں نے
آپ کی قدر و منزلت کو نہ پہچانا اور آپ کے
خلاف و نزاع کی راہ پر چل پڑے اور آپ کی
مخالفت پر شدت کے ساتھ کمر بستہ ہو گئے،
پھر توجہ ہونا تھا ہو کر رہا۔ انا للہ وانا الیہ
راجعون
علامہ تورپشتی کہ جن کا شمار علمائے فقہ و
حدیث میں ہے اور حنفی المذہب میں انھوں نے
عقائد پر جو کتاب لکھی ہے اس میں فرماتے ہیں کہ
حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مخالفین کی تین
قسمیں ہیں ایک جماعت نے تو ان کو پہچانا ہی نہیں
اور کچھ لوگوں نے دنیا کی محبت اختیار کی اور
ایک جماعت اجتہاد میں خطا ہوئی۔ علامہ مدنی

نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ، طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں بجز خطا اجتہادی کے اور کچھ اعتقاد نہیں رکھنا چاہیے۔

اب جب ثابت ہو گیا کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اہل سنت کے نزدیک خلیفہ راشد ہیں اور اپنی تمام جنگوں میں برسرِ حق اور مصیب ہیں اور جن لوگوں نے ان سے جنگ کی وہ خطا پر تھے اور قتال بغاۃ کے باب میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حسب تصریح فقہاء کرام تمام امت کے قدوہ و امام ہیں چنانچہ صاحب ہدایہ نے "باب البغاة" میں تصریح کی ہے کہ

وهو القدوة في هذا الباب اس باب میں حضرت علی مرتضیٰ ہی پیشوا ہیں تو اب باغیوں سے جنگ و صلح دونوں امور میں حسب فرمان نبوی

عليكم بسنتي وسنة الخلفاء تم پر لازم ہے کہ میری سنت کی پیروی کرو اور خلفاء الراشدين المهديين راشدین جو ہدایت یافتہ ہیں ان کی سنت پر عمل کرو۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیروی ضروری ٹھیری۔

یاد رہے اہل سنت کے نزدیک بجز انبیاء کے کوئی معصوم نہیں، اس مسئلہ میں اصحاب جمل و اصحاب صفین کا موقف یقیناً صحیح نہ تھا۔ لہذا حضرت ام المؤمنین حمیراء اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس باب خاص میں غلطی سرزد ہو جانے سے ان کی شان صحابیت بالکل مجروح نہیں ہوتی۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اپنے عہدِ خلافت میں تمام معاصرین صحابہ میں افضل و اعلیٰ و اتقی و اوفق تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی "تقریب التہذیب" میں فرماتے ہیں

علی بن ابی طالب بن عبد المطلب علی بن ابی طالب بن عبد المطلب ہاشمی رسول اللہ الهاشمی ابن عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم، اور آپ کے داماد، علیہ وسلم و زوج بنتہ، من السابقین سابقین اولین میں سے ہیں۔ راجح یہی ہے کہ آپ

الاولین، المرجح انه اول من سب پہلے اسلام لائے۔ اور آپ ان دس حضرات میں سے ہیں جن کو جیتے جی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے۔ آپ کی وفات فی رمضان سنۃ ۱۱ بعین، رمضان سنۃ ۱۱ ہجری میں ہوئی، اہل سنت کا اس پر وہو یوم مہذ افضل الاحیاء اجماع ہے کہ روئے زمین پر اس وقت جتنے انسان من بعد آدم بالارض باجماع بھی بقید حیات تھے آپ ان سب افضل تھے اہل السنۃ ولہ ثلاث و ستون سنۃ علی الارجح۔ راجح قول کے مطابق وفات کے وقت آپ کی عمر تریسٹھ سال تھی۔

خوب سمجھ لیجئے جس طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے عہدِ خلافت میں سب صحابہ میں افضل و اعلم تھے اسی طرح حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اپنے زمانہ خلافت میں تھے لہذا جس طرح حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت نہ کرنا صحیح نہ تھا اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت نہ کرنا صحیح نہ تھا اور جس طرح حضرت فاطمہ الزہراء سلام اللہ علیہا و علیٰ ابیہا کا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے میراث نبوی کا مطالبہ کرنا صحیح نہ تھا اسی طرح حضرت حمیراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے مطالبہ قصاص صحیح نہ تھا ان حضرات کو چاہیے تھا کہ پہلے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے بیعت کرتے پھر قاتلین عثمان سے قصاص کا مطالبہ رکھتے اور اگر ان کے علم میں قاتل متعین تھے اور ان کے خلاف شرعی شہادت موجود تھی تو وہ دربارِ خلافت میں پیش کرتے۔ مقتول کے قاتلوں سے قصاص لینے کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ عدالت میں قاتلوں کے خلاف دعویٰ دائر کر کے ثبوت میں گواہ پیش کئے جائیں۔ اس کے بغیر خلیفہ وقت کے خلاف جنگ چھیڑ دینا سرِ اسرِ بغاوت ہے۔ اور خلیفہ کا فرض ہے کہ وہ اس بغاوت کا جس طرح بھی بن سکے استیصال کرے۔

(ط)

اب ہم اصل مسئلہ کی طرف لوٹتے ہیں کہ حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خونِ ناحق کا قاتلین سے آخر قصاص کیوں نہ لیا اور اس کی اصل وجہ کیا تھی۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین میں اس کے حسب ذیل چار وجوہ بیان کئے ہیں فرماتے ہیں

در تاخیر قصاص چندین وجہ نقل
تاخیر قصاص کے بارے میں کئی وجہیں نقل کرتے ہیں
کردہ اند

یکے آنکہ در آن وقت مقدور
ایک یہ کہ اس جماعت کی کثرت و قوت کی بنا پر ایسا
حضرت مرتضیٰ نبود بسبب کثرت آن
کر تا حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بس کی
جماعہ و قوت ایشان
بات نہ تھی۔

دیگر آنکہ وارثان و م قصاص
دوسری یہ کہ وارثوں نے قاعدہ کے مطابق اس
را بوجہ آن طلب نکردند می بایست
کامطالبہ ہی نہیں کیا ان کو چاہیے تھا کہ حضرت
مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آکر اپنا دعویٰ
کہ پیش مرتضیٰ می آمدند و دعویٰ
پیش کرتے نہ کہ فوج جمع کر کے مقابلہ پر آمادہ
خود را عرض می کردند، نہ آنکہ فوج
جمع کنند و بمقابلہ مہیا شوند۔

سوم آنکہ قاتل بعینہ معلوم
تیسری یہ کہ قاتل بعینہ معلوم نہ تھے کیونکہ حضرت
نبود زیرا کہ در وقت قتل ذی النورین
ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کے وقت یا
قاتلان حاضر بودند یا اہل خانہ
تو قاتل موجود تھے یا ان کے اہل خانہ ان کے سوا
ذی النورین لا غیر، قاتلان حیرا
اور کوئی وہاں موجود نہ تھا۔ اب قاتلوں کو کیا پڑی
اظہار قاتل بکنند و گواہی اولیاء
تھی جو وہ کسی قاتل کو بتاتے اور اولیاء مقتول
مقتول حجت نیست۔
کی گواہی حجت نہیں۔

چہارم آنکہ آن جماعہ بغات
چوتھی یہ کہ یہ جماعت باغی تھی جب حضرت مرتضیٰ
بودند، و در وقت خلافت مرتضیٰ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے بغاوت

رجوع کردند بطاعت خلیفہ و شاید
سے باز آکر خلیفہ وقت کی اطاعت کر لی تھی اور
مذہب مرتضیٰ آن باشد کہ چون باغی
غالباً حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب یہ تھا
رجوع کنند بروے مواخذہ قتلے کہ
کہ جب باغی بغاوت سے باز آجائے تو بغاوت کے زمانہ
میں اس نے جو خون کیا اس کا مواخذہ نہیں ہوا کرتا
در زمان باغی کردہ است ثابت نمی شود
جیسے کافر حربی جب اسلام لے آئے تو اس سے پھر
مانند عربی کہ مسلمان شود
باز پرس نہیں ہوتی
(ص ۲۷۹)

ان میں سے پہلی وجہ تو ہمارے نزدیک قطعاً درخور اعتناء نہیں کہ اس کی بنیاد
سیف وغیرہ کی جمع کردہ ان افواہوں پر ہے جن کا نہ سر ہے نہ پیر اور ان پر ہم تفصیل
سے کلام کر چکے ہیں کہ یہ بات نہ روایت کے اعتبار سے صحیح ہے نہ روایت کے لحاظ سے
سمجھ میں آتی ہے۔ باقی تینوں وجہیں اپنی جگہ پر بالکل درست اور صحیح ہیں۔ وارثین عثمان
میں سے کسی ایک فرد نے بھی خون عثمان کا قصاص لینے کے لئے عدالت شرع کا دروازہ نہیں
کھٹکھٹایا اور نہ ان لوگوں نے جو ولی الدم ہونے کے دعویدار تھے بلکہ فوج کشی کر کے
خلیفہ وقت کے مقابلہ پر آموجود ہوئے اس پر بھی حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ
نے صبر و تحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا بلکہ اتمام حجت کے لئے جمل و صفین کے قاتلین
کے سامنے یہی بات رکھی کہ قاتلین عثمان کا نام و نشان تو بتائیے۔ خود بیعت کیجئے اور
میری عدالت میں ان کے خلاف دعویٰ دائر کیجئے۔ جنگ جمل میں حضرت ام المومنین عائشہ
صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس سلسلہ میں آپ سے جب قصاص ذی النورین کا مطالبہ
کیا تو آپ نے ان سے یہی فرمایا کہ

ارینی قتلة عثمان یے
مجھے بتلائیے تو قاتلین عثمان ہیں کہاں ؟
یہ بھی امر واقعہ ہے کہ جنگ جمل میں حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کی طرف سے جنگ کی ابتداء نہیں ہوئی تھی بلکہ جیسا کہ امام طحاوی نے "معانی الآثار"
میں جناب زید بن وہب سے روایت کیا ہے جنگ کا آغاز جانب مخالف سے ہوا تھا۔
چنانچہ زید کہتے ہیں کہ :

کنت فیمن خرج معہ میں اس فوج میں موجود تھا جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معیت میں نکلی تھی۔ آپ نے حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما اور ان کی فوج کو اطاعت کی دعوت دی اور ان پر حملہ کرنے سے اس وقت تک رکے رہے جب تک کہ خود انہوں نے لڑائی میں پہل نہ کی اب آپ کو بھی قتال کرنا پڑا۔

اور یہی بات حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے رکھی تھی۔ چنانچہ علامہ محدث محمد بن عبد الباقی زرقانی "شرح المواہب اللدنیہ" میں رقمطراز ہیں:

وذكر يحيى بن سليمان الجعفي يحيى بن سليمان جعفي جو امام بخاری کے استاد ہیں احد شیوخ البخاری فی تألیفہ انہوں نے اپنی تألیف میں جو معرکہ صفین پر ہے فی "صفین" بسند جید عن بسند جید ابو مسلم خولانی سے نقل کیا ہے کہ انہوں ابی مسلم الخولانی انہ قال نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا کر کہا لمعاویۃ أنت تنزع علیاً تم بھی خلافت کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ فی الخلافة او انت مثله قال تعالیٰ عنہ سے جھگڑنے چلے ہو بھلا تم ان کے لا وانی لاعلم انہ افضل برابر ہو؟ کہنے لگے میں ان کے برابر کہاں میں جانتا منی وأحق بالأمر ولكن ہوں کہ وہ مجھ سے افضل ہیں اور مجھ سے زیادہ الستم تعلمون ان عثمان خلافت کے حقدار، لیکن کیا تمہیں معلوم نہیں قتل مظلوماً وانا ابن کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مظلوماً قتل عمتہ وولیتہ اطلب بدمہ کر دیے گئے۔ میں ان کا ابن عم اور ولی ہوں اور فاستوا علیاً فقولوا لہ ان کے خون کا انتقام لینا چاہتا ہوں تم ان سے

لہ کتاب السیر، باب الدعاء الی الاسلام قبل القتال

بیدفع لنا قتلة عثمان جا کر کہو کہ وہ قاتلان عثمان کو ہمارے حوالہ کر دیں فانتوہ فکلموہ فقال چنانچہ انہوں نے آکر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس سلسلہ میں گفتگو کی تو آپ نے فرمایا کہ وہ بیعت کر لیں اور ان کا معاملہ میرے سامنے رکھیں یہ بات الی فامتنع معاویۃ (ج - ۷، ص ۲۱۵ و ۲۱۶) حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہ مانی۔

اور علامہ فقیہ مؤرخ عبد الحمی بن العمد الحنبلی المتوفی ۸۹ھ "شذرات الذہب فی اخبار من ذہب" میں ارتقام فرماتے ہیں:

وکانت فی جماعة علی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب بدری جماعة من البدریین و صحابہ کی ایک جماعت تھی اور ان اصحاب کی بھی اهل بیعة الرضوان و جنہوں نے بیعت رضوان میں شرکت کی۔ اور رایات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے بھی تھے والاجماع منعقد علی حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت امامتہ و بغی الطائفة کے منعقد ہونے اور ان کی مخالف جماعت کے الاخری ولا يجوز تکفیر ہم باغی ہونے پر امت کا اجماع ہے۔ مگر ان باغیوں کسائر البغاة واستدل کو کافر کہنا ناجائز ہے جیسا کہ تمام باغیوں کا اهل السنة والجماعة علی حکم ہے۔ حضرات اہل سنت و جماعت نے ترجیح جانب علی بدلائل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب کو اظهرها و اثبتها قوله ترجیح دینے کے لئے بہت سے دلائل سے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم استدلال کیلئے جن میں سب سے زیادہ ظاہر لعمر ابن یاسر "تقتلک الفئۃ الباغیۃ" وهو اور سب سے زیادہ پختہ دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ فرمانا ہے کہ "عمار تم کو باغی جماعت قتل حدیث ثابت ولست ابلغ عنہ سے یہ حدیث ثابت ہے۔ اور جب حضرت معاویۃ ذلك قال انما کرے گی" یہ حدیث ثابت ہے۔ اور جب حضرت

قتله من اخرجہ فقتال معاویہ کو یہ روایت پہنچی تو کہنے لگے، ان کے قاتل علی اذا قتل رسول اللہ تو وہ ہیں جو ان کو لیکر نکلے تھے حضرت علی رضی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حمزہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ اس کا مطلب تو یہ ہوا لانه اخرجہ وهو الزام کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل لا جواب عنہ و حجة لا (نحوذ باللہ) خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر کیونکہ وہی ان کو لیکر آئے تھے۔ حضرت مرتضیٰ اعترض علیہا۔

وكان شبهة معاویة رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ الزام لا جواب ہے اور ایسا ومن معه الطلب بدم عمدہ استدلال ہے کہ جس پر کوئی اعتراض وارد عثمان، وكان الواجب علیہم نہیں ہو سکتا۔

شرعاً الدخول فی البيعة حضرت معاویہ اور ان کے ساتھیوں کا شتم الطلب من وجوهہ شبه یہ تھا کہ وہ تو خون عثمان کا انتقام چاہتے ہیں الشرعیۃ۔ وولی الدم لیکن شرعاً ان پر یہ واجب تھا کہ پہلے داخل بیعت ہوتے اور پھر شرع کے بتلائے ہوئے طریقوں پر قصاص کا مطالبہ کرتے۔ اور حقیقت میں جن کو مطالبہ قصاص کا حق تھا اور ولی الدم تھے وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد تھے۔ پھر یہ بات بھی تھی کہ قاتلان عثمان معلوم و متعین نہ تھے۔ اور حضرت علی کرم اللہ الذی صلی ایماناً تعالیٰ وجہہ کے ساتھیوں میں سے جو حضرات من قرنه الی قدمہ شہید ہوئے ان میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ واختلط الایمان بالحجہ تعالیٰ عنہا بھی تھے جو ان جنگوں میں میزان ودمہ و قتل وقتہ عدل کی حیثیت رکھتے ہیں (کہ جدھر وہ ہوں گے نیف علی السعین و حق اسی طرف ہوگا) یہ وہی صحابی ہیں (جو حسب

قتل معہ ایضاً ذو فرماں نبوی) سرتاپا ایمان سے پڑتے تھے اور ایمان ان الشہادۃ بن خزيمة بن کے گوشت و خون میں سرایت کر گیا تھا۔ حضرت عمار ثابت، و كان متوقفاً رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر اس وقت ۹۰ سال سے متجاوز فلما قتل عمار تبین تھی۔ نیز آپ کے ساتھیوں میں سے حضرت خزیمہ بن ثابت له الحق و جرد سيفه رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شہید ہوئے یہ وہ صاحب ہیں و قاتل حتی قتلہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی اکیلے کی

گواہی کو دو گواہوں کی گواہی کے برابر قرار دیا تھا (یہ خصوصیت تمام صحابہ میں صرف انہیں کو حاصل تھی) ان کو پہلے توقف تھا کہ جنگ کریں یا نہ کریں لیکن جیسے ہی حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو کر گئے ان پر حق واضح ہو گیا اور انہوں نے شمشیر نیام سے کھینچی اور جنگ شروع کر دی آخر شہید ہو گئے۔

بہر حال مطالبین قصاص کے لئے صحیح طریقہ یہی تھا کہ اگر وہ قاتلین کو جانتے تھے تو حضرت مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی عدالت میں حاضر ہو کر شرعی طریقہ پر عرض مدعا کرتے اور عدالت شرعی سے انصاف کے طلبگار ہوتے۔ حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار نے غالباً اس سلسلہ میں کوئی قدم اس لئے اٹھانا پسند نہ کیا کہ جس طرح ان کے والد بزرگوار نے صبر و رضا و تسلیم کا دامن آخری لمحہ تک ہاتھ سے نہ چھوڑا اور اپنی طرف سے قطعاً کسی کو بدافعت کی اجازت نہ دی اسی طرح ان حضرات نے بھی سوچا ہوگا کہ جب پدر بزرگوار نے ہی ان ظالموں کا معاملہ حق تعالیٰ کے سپرد کر دیا تو اب ہم کیوں اس معاملہ کو اٹھائیں یا یہ وجہ ہوگی کہ قاتل بروقت مارے گئے اور اگر کوئی موقعہ واردات سے فرار ہو گیا تو اس کو جانتے نہ ہوں گے اور جیسا کہ ابھی علامہ ابن العباد کی تصریح گزری کہ واقع میں قاتل متعین بھی نہ ہو سکے اور اس سے پہلے بھی وہ لکھ چکے ہیں کہ

والضحیۃ انه لم يتعین قاتله اور صحیح یہی ہے کہ (اس بلوہ میں) ان کا قاتل متعین ہو سکا

اور شاہ ولی اللہ صاحب نے تیسری وجہ بھی یہی بتائی ہے۔ آج بھی تاریخ اسلام کا سارا سرمایہ کھنگال لیا جاتے۔ صحیح روایات کی بنا پر قاتل کی تعیین مشکل ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب اس وقت قاتل متعین نہ ہو سکے تو اب کہاں سے ہوں گے؟
چوتھی وجہ جو شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے بیان کی اگرچہ فقہ کا عام مسئلہ ہے چنانچہ "البحر الرائق شرح کنز الدقائق" میں مرقوم ہے:
توبۃ الباغی بمنزلۃ جان و مال کی حفاظت اور ان کے احترام کے سلسلہ الاسلام من الحربی میں باغی کے توبہ کر لینے اور حربی کافر کے اسلام لے آنے فی افادۃ العصمۃ و کا ایک ہی حکم ہے (کہ اب دونوں کی جان و مال سے الحرمت۔ کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا)

تاہم حضرت امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ فرمانا کہ "مجھے ذرا بتلائیے تو قاتلان عثمان ہیں کون کون؟" یا حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ فرمانا کہ "مجھ سے بیعت کرو اور ان کا معاملہ میری عدالت میں پیش کرو" اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے واقعہ میں جو صورت خاص پیش آئی اس میں مظاہرین اور قاتلین کے مابین فرق ہے مظاہرین اور محاصرین کا حکم عام باغیوں کا ہے کہ اطاعت قبول کر لینے پر ان سے باز پرس نہیں ہوتی۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ان لوگوں سے جب انھوں نے بیعت کر لی تو اطاعت قبول کر لینے پر ان سے کچھ باز پرس نہ کی، لیکن جن لوگوں نے خلیفہ معصوم کے قتل کا ارتکاب کیا تھا ان کے بارے میں حضرت عائشہ و حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ فرمایا کہ ان کو بتلایا جائے اور ان کے خلاف دعوئی پیش کیا جائے اس سے معلوم ہوا کہ اگر قاتلین کے خلاف ثبوت قتل فراہم ہو جاتا تو ان کو قصاص میں قتل کر دیا جاتا۔

اور اگر کسی صاحب کو ان وجوہ مذکورہ چہارگانہ میں سے پہلے ہی وجہ کی صحت پر اصرار ہو تب بھی ہم کو کچھ مضر نہیں۔ کیونکہ بالفرض اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قاتلان

عثمان کو کیفر کردار پر پہنچانے کا مقدور نہ تھا تو اس کا سبب بھی یہی تھا کہ ان حضرات طالبین قصاص کا تعاون ان کو حاصل نہ تھا۔ چنانچہ امام ابن حزم ظاہری فرماتے ہیں ولوان معاویۃ با یح اور اگر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت علی علیہ السلام سے بیعت کر لیتے تو آپ کو قاتلین الحق من قتلة عثمان فصیح عثمان سے قصاص لے لینے کی قوت حاصل ہو جاتی ان الاختلاف هو الذی لہذا یہ بات صحیح ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اصنعت ید علی عن الفناء ان کے اختلاف کرنے ہی نے حضرت دالا کے ہاتھ الحق علیہم ولولا ذلك کو ان پر حق کے نفاذ سے کمزور کر دیا ورنہ اگر یہ بات لافذ الحق علیہم نہ ہوتی تو وہ قاتلین پر ضرور حق کا نفاذ کر کے رہتے

مسئلہ کو سمجھنے کا سیدھا اور صحیح طریقہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف مظاہرہ کیا تھا ان کے بارے میں حکم شرع کی تحقیق کر لی جائے ظاہر ہے کہ وہ لوگ کافر مرتد یا منافق نہ تھے مسلمان ہی تھے پھر کیا وہ رہن نظام الطریق اور محاربین کے حکم میں تھے یہ صورت بھی نہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو سب سے پہلے حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان پر حد جاری کرتے اور کتاب اللہ کے حکم کے مطابق کسی کو سولی پر لٹکاتے، کسی کے ہاتھ پیر کاٹتے اور کسی کو جلا وطن کرتے۔ اب سوا اس کے کوئی اور صورت نہیں کہ وہ باغی تھے اور باغی جب تک لوگوں کی جان و مال سے تعرض نہ کریں ان کو زبانی فہمائش کی جائے گی البتہ اگر وہ لڑنے مرنے پر مستعد ہو جائیں تو پھر ان سے قتال واجب ہے۔ اب اس سلسلہ میں دونوں خلفاء راشدین حضرت ذی النورین و حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے طرز عمل پر نظر ڈال لیجئے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عین حالت محاصرہ میں ان کو زبانی فہمائش ہی پر اکتفا کی اور ہر طرح ان کے شبہات کے ازالہ کی کوشش فرمائی کیونکہ اس وقت تک معاملہ خلیفہ وقت کے خلاف مظاہرہ سے آگے نہ بڑھا تھا۔ بعد کو چند نابکار اشتعال میں آکر ٹپوس کی دیوار

سے کودے اور انہوں نے چھت سے بالا خانہ میں داخل ہو کر آپ کو شہید کر ڈالا اِنَّا لِلّٰہِ
وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ ان میں سے دو ایک موقع پر مارے گئے ایک آدھ موقع
واردات سے فرار ہو کر رات کی تاریکی میں غائب ہو گیا۔ بعد ازاں جب مدینہ کے تمام
مہاجرین و انصار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بیعت
کر لی تو یہ مظاہرین بھی حلقہ بیعت میں داخل ہو گئے۔ بغاوت فرو ہو جانے کے بعد باغیوں
سے باز پرس نہیں ہوا کرتی۔ قاتلوں کا پتہ نہ چل سکا نہ کسی نے ان کے خلاف استغاثہ
دائر کیا نہ کوئی عینی شہادت کسی کے خلاف فراہم ہو سکی اب کاروائی کس کے خلاف
کی جاتی ہے۔ اسی لئے امت کے تمام فقہاء اور متکلمین نے قاطبہ اس بارے میں حضرت
مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصویب سے رہائی ہے اور ان سے اختلاف کرنے والوں کا تخلیہ
کیا ہے۔ چنانچہ علم کلام اور فقہ کی تمام کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے۔ ائمہ ہدیٰ اور
اکابر علماء اہل سنت کی تصریحات اس مقالے میں جایا آپ کی نظر سے گزر چکی ہیں۔ اور
امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ تعالیٰ کا اس باب میں جو عقیدہ ہے اس کا ذکر ہم نے اپنے رسالہ
”شہدائے کربلا پر افتراء“ کے آخر میں بھی کر دیا ہے جو حسب ذیل ہے :

والا ئمۃ مترتبون فی فضیلت کے اعتبار سے ائمہ (خلفاء اربعہ) رضی اللہ تعالیٰ
الفضل ترتبہم فی عنہم کی وہی ترتیب ہے جس ترتیب سے یہ حضرات امامت کے
الامامۃ، ولا اقول فی منصب رفیع پر فائز ہوئے اور حضرات عائشہ و طلحہ و زبیر
عائشہ و طلحہ و الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں اس کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتا
رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہ ان حضرات نے اپنی اس خطا سے (جو جنگ جمل میں حضرت
الا انہم رجعو عن علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے خلاف صف آرا ہونے کی بنا
الخطاء۔ و اقول : ان پر ان سے سرزد ہوئی) رجوع کر لیا تھا۔ اور میں اس کا قائل

سہ یہاں تک تحریر اسی زمانے کی ہے جب یہ مکتوب ہم کو بغرض جواب ملا تھا جس کو اب تقریباً ۹ سال
کا عرصہ ہو چکا مگر بوجہ اس کی طباعت کا موقع نہ مل سکا۔ اب جب اس کی اشاعت کا خیال آیا تو
نظر ثانی میں حسب ذیل اضافہ ہوا ہے۔

طلحہ و الزبیر من ہوں کہ حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان دس حضرات
العشرۃ المبشرین بالجنۃ۔ میں ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی حیات
واقول فی معاویۃ ہی میں جنت کی بشارت دے دی تھی۔ اور میں معاویہ اور
وعمر و بن العاص انھما اور عمرو بن العاص کے بارے میں یہی کہتا ہوں کہ ان دونوں
بغیا علی الامام الحق نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف بغاوت کی تھی جو
علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ امام برحق تھے، اور حضرت امیر المومنین نے ان سے
تعالیٰ عنہم مقاتلہم مقاتلہ اسی طرح جنگ کی جس طرح باغیوں سے کرنی چاہئے اور میں
اہل البغی، و اقول ان یہ بھی کہتا ہوں کہ اہل نہروان (یعنی خوارج) جو اس امر
اہل نہروان الشراۃ کے مدعی تھے کہ ہم نے اپنی جانوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا
ہم المارقون من الدین کے لئے بیچ دیا ہے وہ دراصل دین سے فراری تھے
وان علیاً رضی اللہ عنہ اور یہ بھی (شہادت دیتا ہوں) کہ حضرت علی کرم اللہ
کانت علی الحق فی جمیع وجہہ اپنے تمام حالات میں حق پر تھے اور آپ نے ہر
احوالہ، والحق معہ بھی رخ کیا حق آپ کے ساتھ تھا۔

حیث داسر (ملاحظہ ہو) ”الخطط والآثار فی مصر والقاہرہ والنیل وما یتعلق بہما
من الاخبار“ تالیف علامہ تقی الدین احمد بن علی المقریزی، ج ۲ - ص ۳۶۰ طبع بولاق مصر ۱۲۷۴ھ

محمد عبدالرشید نعمانی

شبِ پنجشنبہ ۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ

ایمان اور عمل کی روشنی میں
 دنیا کی ساری باتیں
 اور انسان کی زندگی
 کی ساری باتیں

شیخ الحدیث علامہ محمد رفیع الدین صاحب دہلوی مدظلہ العالی

حدیث غزوہ قسطنطنیہ اور مغفرتِ یزید
 سنہ تصنیف _____ سوال نمبر ۱۳۸

اصح الکتاب بعد کتاب اللہ بخاری شریف کی ایک طویل حدیث پر
 علمی و تحقیقی بحث غزوہ قسطنطنیہ میں شریک ہو کر الہ مجاہدین کی بخشش
 و مغفرت اور یزید ابن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کیلئے بشارت اور
 مغفرت ہم میں داخل ہونے یا نہ ہونے پر ایک گراں قدر اور قیمتی تحریر۔
 اسلامی تاریخ کے اس معرکہ الآراء موضوع پر دل و دماغ
 اور قلب و نگاہ کی پاکیزگی کے ساتھ جامعیت اور اعتدال سے بھرپور
 ایسی تحریریں بہت کم پڑھنے کو ملتی ہیں۔



دیوبند سے شائع ہونے والے ایک مشہور مجلہ، ماہنامہ تجلی کی فردری و مارچ ۱۹۶۱ء کی اشاعت میں جناب مظہر عزیز سہیل، بی، اے گورکھپور کے قلم سے ایک طویل علمی مضمون بعنوان، "حدیث غزوہ قسطنطنیہ پر استفتاء" شائع ہوا۔ اس مضمون میں بخاری شریف کی اس حدیث پر بحث کی گئی ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اسلامی فوج کے شہر قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کی پیشین گوئی اور اس میں شرکت کرنے والے مجاہدین و غازیین کیلئے مغفرت کی بشارت ہے۔

یہ حدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں چھ جگہ مختلف ابواب کے تحت تحریر فرمائی ہے پہلی جگہ باب الدعاء بالجهاد والشهادة للرجال والنساء میں، دوسری جگہ باب من یصرع فی سبیل اللہ فمات میں، تیسری جگہ باب غزوة الحرة فی البحر میں چوتھی جگہ باب رکوب البحر میں، پانچویں جگہ باب ما قیل فی قتال الروم میں چھٹی جگہ کتاب الاستیذان باب من زار قوما فتال عندہم میں۔

مستفتی کو اصل خلجان اس حدیث شریف سے متعلق ان توضیحات و تشریحات میں تھا جو بعض شراح حدیث مثلاً علامہ ابن التین اور علامہ ابن المنیر وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے منقول ہیں کہ ان حضرات کے نزدیک مغفور لہم کے عموم میں یزید داخل نہیں ہے، اسلئے کہ حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ قول اس شرط کے ساتھ مشروط

لہ ناچیز مقدمہ نگار مولانا سلطان الحق صاحب قاسمی ناظم کتب خانہ دارالعلوم دیوبند کا ممنون ہے کہ ان کی مساعی سے تجلی کا یہ شمارہ حاصل ہوا۔

ہے کہ ان مجاہدین میں مغفرت کی اہلیت اور صلاحیت بھی باقی رہی ہو۔ مستفتی نے علامہ ابن التین اور علامہ ابن المنیر رحمہما اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ اس رائے اور توضیح کے پیش نظر ان کے بارے میں منہجاً راجحہ من الرفض کا فیصلہ دیا ہے اور ماہنامہ تجلی کے تقریباً چار صفحات میں انکی اس رائے اور توضیح کو غلط ثابت کرتے ہوئے ایک طویل استفتاء دست اکابر علماء کی خدمت میں پیش کیا ہے اور ان سے درخواست کی ہے کہ وہ کتاب و سنت اور فقہائے اُمت کے اقوال و دلائل سے اس کا جواب تحریر فرمائیں۔

وہ دس اکابر یہ ہیں (۱) مولانا الحافظ الشاہ عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنؤ (۲) مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی مؤلف کڈھ (۳) مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی ڈھاکہ (۴) مولانا محمد تقی صاحب امینی مدرسہ معینیہ اجیر (۵) مولانا محمد طیب صاحب انجم دارالعلوم دیوبند (۶) مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور۔ (۷) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی شیخ الحدیث و التفسیر ندوہ لکھنؤ (۸) مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی مدیر رسالہ ترجمان القرآن لاہور (۹) مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہ مدیر رسالہ الفرقان لکھنؤ (۱۰) مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی کراچی۔

مستفتی نے ان حضرات کی خدمت میں بھیجنے کیلئے جو استفتاء مرتب کیا ہے وہ اگرچہ کافی طویل ہے لیکن اسکو یہاں نقل کرنا اسلئے ناگزیر ہے کہ حضرت شیخ نور اللہ مدظلہ نے اپنے جواب میں جا بجا اس کے حوالے دیئے ہیں۔ استفتاء یہ ہے۔

استفتاء (۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین حسب اہل استفسارات و شہادت کے باب میں کیا مغفور لہم سے مغفرت اول مراد ہے جس کا دوسرا عنوان

دخول جنت بغیر عذاب ہے یا مغفرت بعد سزائے کیا مراد ہے ؟ اگر مغفرت بعد سزا مراد ہو تو نہ اسمیں یزید اور دیگر شکریاں کیلئے کوئی خصوصیت، کوئی مدح، کوئی مژدہ و بشارت ہے اور نہ ابن التین وغیرہ کو اس پر گھبرانے اور تاویلات پیدا کرنے اور مشتبہ بنانے کی کوئی ضرورت ہے۔ کیونکہ وہ تو ابن التین کیلئے، میرے لئے، اور تمام گناہ گاروں کیلئے عام ہے ہی مگر بظاہر اور میرے نزدیک ابن التین کی یہ کلامی کوششیں یہ بتاتی ہیں کہ وہ تمام لشکریوں کیلئے خصوصاً یزید کیلئے کسی قسم کی بھی مغفرت کے قائل نہیں۔

(۲) حضور کا ارشاد مغفور لہم کا طرز بیان، پوری حدیث کے دیگر قرآن کو بھی پیش نظر رکھتے ہوئے کیا جہاد قسطنطنیہ کی ترغیب اور فضائل کا محض عام ذکر ہے۔ (اگر کوئی فرد یا لشکر پہلے غزوہ قسطنطنیہ میں جائے گا تو مغفور لہم کے ثواب میں بشرط وجود شرائط عامہ ثواب کا شریک ہو سکے گا) یا یہ خاص حالات کے مخصوص افراد کیلئے ایک خاص تبشیر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اس انعام کا ملنا تو اٹل ہے یہ انعام تو انہیں مل کر ہی رہے گا کیونکہ ان مخصوص لوگوں کی ایمان کی سلامتی اور وفات علی الامیان تو متیقن و متعین ہے، اسمیں کوئی شرط و تعلیق نہیں۔ ؟

(۳) اگر یہ اوجبوا اور مغفور لہم ذکر فضائل جہاد مجاہدین ہے اور ترغیب عمل نہیں بلکہ مخصوص تبشیر حبش ہے تو کیا مخصوص تبشیر میں بھی شرط و تعلیق ہو کرئی ہے ؟ اگر ہو سکتی ہے تو اسکی کوئی نظیر۔ ؟

(۴) اگر ایک بشارت مغفور لہم میں شرط و تعلیق علماء نے مانی ہے تو کیا اسی وقت کی اور اسی حیثیت کی دوسری بشارت اوجبوا میں بھی شرط و تعلیق مانی ہے۔ ؟

اگر نہیں تو کیوں ؟ اس سے تو ترجیح بلامرجح لازم آتی ہے اور اگر ہے تو پھر ابن التین کو یا ہم کو اس ارشاد میں اور کن کن کن تو انہیں کو ملا کر اوجبوا کا انعام تقسیم کرنے کا مضابطہ بنانا چاہیے اور کن کن کن افراد کو کس کس قانون کی روشنی سے اس بشارت کا نفع ملنے سے خارج کر دینا چاہیے۔ ؟

(۵) جس قاعدہ کی طرف ابن التین اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ حکم مشروط ہے اس شرط سے ؟ وہ بات صحیح اور تسلیم تو ہے مگر جہاں تک میری ناقص نظر اور ناقص فہم کی رسائی ہے، اس کا طرز بیان ہی جدا گانہ ہوتا ہے وہ ہمیشہ دو جملوں (شرط و جزا)

میں ہوا کرتا ہے مثلاً من صام رمضان ایمانا واحتساباً غفر لہ ما تقدم من ذنبہ وما تاخر وغیرہ۔ یہاں دو جملے ہیں، مضمون بھی شرط و جزا کا ہے اسلئے شرط بھی صحیح اور تعلیق بھی تسلیم مگر اول جیش من امتی یغزون مدینۃ فیتصر مغفور لہم، تو جملہ مفردہ اسمیہ خبریہ ہے اس کے اندر بھی شرط و تعلیق ماننا میرے نزدیک ایسا ہی ہے جیسے ایک آدمی زید کو دورہ پڑھنے کے زمانے میں زید عالم کہدے تو دوسرا کہے کہ واہ زید بھلا اس غموم میں کیونکر داخل ہو سکتا ہے، کیونکہ تمام علماء بلا اختلاف جانتے اور مانتے ہیں کہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں، کہے معلوم کہ زید زندہ بھی رہے گا اور یہ کہ عالم ہونا مشروط ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ شخص عمر طبعی خدا کے یہاں سے لے کر آیا ہو پھر اس کو مدرسہ بھی جامعہ ازہر مصر کی طرح ملا ہو۔ یہاں تک کہ اگر بالفرض اسے ابن التین جیسے استاد نہ ملیں تو اسکے عالم ہونے کا کوئی امکان نہ ہو، اسلئے معلوم ہوا کہ کہنے والے کا منشاء عالم کہنے سے صرف اسی صورت کے ساتھ مخصوص و مشروط ہے کہ وہ بوڑھا ہو کر مرے مصر جا چکا ہو اور ابن التین جیسا استاد بھی اُسے ملا ہو

(۶) کیا حضورؐ کی اور تمام بشارتیں عشرہ مبشرہ کو، اہلبیت قرآنی، یعنی اہل بیت المؤمنین کو۔ اہلبیت حدیثی یعنی آلِ عبا کو اصحاب بدر کو بلکہ جملہ اصحاب رسولؐ کو کہ (مغفرتہ و اجر عظیم کا وعدہ بھی ہے) بھی اسی نادک شرط و تعلیق کا ہدف ہیں؟ (۷) جب جمع الفوائد جلد دوم مناقب حسینؑ میں معجم کبیر طبرانی کی ایک حدیث ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے یہ مروی ہے کہ حضرت جبریلؑ اور حضورؐ دو معصوموں نے شہادت دی کہ قاتلین حسینؑ مسلمان ہوں گے، چنانچہ اس پر ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو تعجب بھی ہوا گویا ان کو قاتلین حسینؑ کا مسلمان ہونا یا مسلمان رہ جانا باوری نہ ہوتا تھا۔ مگر جب حضورؐ نے ان کو مسلمان کہہ دیا اور قتل حسینؑ ہی کے جرم کے ساتھ ان کا مسلمان ہونا بیان فرمایا تو کیا ابن السّین، (یا نقیض قرآنی یا کسی غوث و قطب) کو اس کا حق پہنچتا ہے کہ اسے شریعت محمدیہ کی رو سے کافر یا مرتد کہیں۔؟

(ب) اگر بالفرض یزید نے یا ابن زیاد نے سیدنا حسینؑ کو قصداً بھی اس خیال سے قتل کیا کہ وہ تفریق بین المسلمین کے مرتکب ہو رہے تھے جیسا ابن عمرؓ کا قول اتقوا اللہ ولا تفرقوا بین المسلمین، ابن علیؑ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم کے باب میں مذکور اور حدیث فاقتلوه کائنات من کان مشہور ہے تو کیا شریعت محمدیہ کی رو سے وہ لوگ گناہگار ہوئے۔؟ کیا ایسا کوئی قاتل مسلم یا آمر بقتل مسلم ایسی صورت میں بھی مستحق لعنت ہے جیسا امام غزالیؒ کہتے ہیں۔؟

(یہ سوال بظاہر ابن السّین سے غیر متعلق ہے لیکن ان کے قول کو کچھ دور چلنے کے بعد مستلزم ضرور ہے اسلئے لکھ دیا۔)

(۸) حضورؐ نے ام حرامؓ کے یہاں قیل و لہ میں جو دو خواب دیکھے اور پھر جو بشارتیں اور جبوا اور مغفور لہم کی دیں تو کیا ان ارشادات میں اخبار عن الغیب، کشف مستقبل نہیں تھا۔؟ دونوں خواب خود تو وحی تھے مگر کیا اسکے ان ارشادات میں بھی وحی کا کوئی دخل نہ تھا۔؟ کیا ایسے قرآن وحی سے قطع و یقین کا خیال مستنبط ہوتا ہے یا ظن و تخمین اور تعلیق و تائید ہی کا پہلو نکلتا ہے۔؟ اگر ان قرآن کے باوجود بھی اس ارشاد میں محض ترغیب جہاد اور حکم مشروط نکلتا ہے تو ایک کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اگر حضورؐ نے یا کسی پیغمبر نے خواب کی وحی سے بھی اعمال کے فضائل اور ثواب تعلیم کئے ہیں تو خواب و خیال کا اعتبار کیا۔؟ سائل کے نزدیک اس میں ترغیب جہاد ہرگز نہیں ہے، بلکہ خواب کی وحی، مسرت اور ضحک کے قوی و جود و حال کے قرآن سے اسمیں تامہ اور مغفرت اولیٰ مراد ہے۔

(۹) اگر ابن السّین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: مغفور لہم کے احترام اور تقدیس میں ایک دوسرے ارشاد نبوی اور عام قانون کو پیش نظر رکھنا اپنے علم و دیانت کا تقاضا سمجھا تو میں بھی حضورؐ کے اُس ارشاد کے احترام اور تقدیس ہی کی خاطر ایک دوسرے ارشاد نبوی اور عام انعام خداوندی کو پیش نظر رکھنا اور مسلمانوں تک پہنچانا، اپنے علم و دیانت کا تقاضا خیال کرتا ہوں، علماء کرام فیصلہ کریں سلم و سلامتی والے اسلام اور امن و امان والے، ایمان کے مزاج کے مطابق اور حضرت رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤفیت اور رحیمیت اور حق تعالیٰ کی غفارت اور رحمانیت کی روح کے موافق ابن السّین کے علم و دیانت کا تقاضا ہے یا راقم الحروف کے علم و دیانت کا، وہ ارشاد نبوی یہ ہے: (دیکھیے مشکوٰۃ باب وقوف بعزہ عن عباس

ابن مرداس ۲۲۹۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے روز دن ڈھلے اپنی اُمت کی مغفرت (تامتہ) کی دعا فرمائی تو دربار الہی سے جواب ملا کہ اچھا میں نے ان سب کو بخش دیا بجز مظلّم اور حقوق العباد کے، کیونکہ یہ حق تو میں ظالم سے مظلوم کو دلوں کر رہوں گا تو حضور نے عرض کیا اے میرے پروردگار! آپ اگر چاہیں تو مظلوم اور صاحب حق کو جنت کا کوئی عمل دیکر راضی اور ظالم کو (بری فرما کر) معاف فرما سکتے ہیں تو اس دعا کا جواب وہاں میدان عرفات میں تو آپ کو نہیں ملا مگر جب آپ نے مزدلفہ پہنچ کر صبح کو پھر وہی دعا مانگی تو آپ کی دعا منظور کر لی گئی، راوی کہتا ہے کہ پھر حضور پر ضحک یا تبسم کا وجد طاری ہو گیا تو آپ سے ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے عرض کیا کہ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان! یہ گھڑی تو ایسی مبارک اور اہم ہے کہ آپ (بجز شغل دعا وابتہال وگریہ اور ذکر کے) کبھی اس وقت ہنسا نہیں کرتے تھے، آخر کیا بات تھی جس نے آپ کو ہنسا دیا، خدا کرے آپ ہمیشہ ہنستے خوش ہوتے رہیں، حضور نے فرمایا سنو! اللہ کے اس دشمن ابلیس کو جب معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا (مغفرت اُمت کی) قبول فرمائی اور میری اُمت کی مغفرت (تامتہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی) فرمادی تو مٹی لیکر سر پر ڈالنے اور بڑی ہاتھ دیا چچا لگا ہے، بس اسکی یہ بدحواسی دیکھ کر مجھے بھی ہنسی آگئی! (انتہی)

اب ابن التین ذرا دیکھیں کہ اس حدیث میں بھی اسی مغفرت کا ذکر ہے جس کے ایک صیغہ مغفور لہم نے ان کو بدحواس اور تاویلات پر آمادہ کر دیا، ابن التین تو ایک یزیدی کی مغفرت پر سر جھیں ہو رہے ہیں اور حضور کی شان رحمت اللعالمین ساری ہی اُمت کی مغفرت تامتہ کیلئے بار بار دعا فرما رہی ہے جن میں نہ معلوم کتنے یزید ہونگے۔

یہ استفتاء حضرت نور اللہ مدظلہ کی خدمت میں دس سوال ۱۳۸۰ھ (۲۸ مارچ ۱۹۶۱ء) میں پہنچا، اسکے ساتھ ایک چند سطر خط سائل کی جانب سے اس مضمون کا بھی ملا کہ احقر کو جناب کے علم و عمل اور تقویٰ اور اخلاق پر اعتماد ہے، اسلئے گزارش ہے کہ زیادہ سے زیادہ ماہ سوال کے ختم تک اس فتویٰ کا جواب دیدیا جائے۔

حضرت المخدم نے اپنے شدید مشاغل اور متعدد عوارض کے باوجود دو دن میں اس کا جواب اپنے قلم مبارک سے تحریر فرما کر خدام کے حوالہ کیا کہ وہ اس کی نقل تیار کر لیں، لیکن جواب لکھنے میں جس قدر عجلت ہوئی اسی قدر اس کے ارسال کرنے میں تاخیر ہوئی چلی گئی اور تین ذیقعدہ ۱۳۸۰ھ (۱۹ اپریل ۱۹۶۱ء) میں بصیغہ رجسٹری سائل کو یہ جواب بھیجا گیا۔

مولانا عام صاحب عثمانی (مدیر تجلی) نے اس جواب کو پڑھ کر جو خط تحریر کیا وہ یہ ہے۔

مخدوم و مکرم مولانا محترم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

جواب استفتاء پر مشتمل جناب کا ملفوف موصول ہو گیا تھا، لیکن بعض ناگزیر اسباب سے وصولیابی کی رسید دینے اور اظہار تشکر کرنے میں دیر ہوئی معاف فرمائیے گا

اسجناب نے اپنی بیماری کے باوجود اتنے مفصل جواب کی زحمت فرمائی یہ جناب کے اخلاق کریمانہ اور ظرف عالی کا مظہر ہے، پھر جس پاکیزہ لب و لہجہ میں آپ نے جواب عنایت فرمایا ہے وہ یقیناً جناب کی عظمت کا نقش روشن ہے، اللہ تعالیٰ آپ جیسے کریم النفس بزرگوں کو تادیر ہمارے سردوں پر قائم رکھے اور ہمیں توفیق دے کہ علمی مباحث میں آپ کی متانت، حلم اور منکسر مزاجی کا اتباع کر سکیں۔

یہ ضروری نہیں کہ مستفتی کو آپ کے ہر ارشاد سے اتفاق ہی ہو لیکن یہ اظہر من الشمس ہے کہ آپ کی تفہیم کا انداز صاحب علم و تقویٰ بزرگوں کی شایان شان ہے اور علمی تبحر کا امانت دار۔

تمام موصولہ جوابات کا مطالعہ کر کے جناب مستفتی کس نتیجہ پر پہنچیں گے یہ تو اللہ ہی کے علم میں ہے، فی الوقت اس عاجز پر آپ کا شکر یہ فرض ہے اور اسی کی ادائیگی کے لئے یہ سطور ہدیہ خدمت کی ہیں، اگر موصولہ جوابات بجلی میں شائع کئے گئے تو پرچہ ضرور حاضر خدمت ہوگا، آپ کی صحت و عافیت کے لئے یہ گناہ گار دعا کرتا ہے اور آنجناب سے دُعا کے خیر کا منتظر ہے۔

عام عثمانی، مدیر تجلی، ۶ مئی ۱۹۶۱ء

ابھی آپ نے مدیر تجلی کا مکتوب اور ان کی طرف سے حضرت المحدث کے لئے القاب و آداب، پاکیزہ لب و لہجہ، اخلاق کریمانہ اور ظرف عالی، عظمت کا نقش روشن علمی مباحث میں ان کی متانت، حلم اور منکسرانہ مزاجی، تفہیم کا انداز، صاحب علم و تقویٰ، بزرگوں کے شایان شان اور علمی تبحر کا امانت دار جیسے وقیع اور ادب پختہ الفاظ ملاحظہ فرمائے، لیکن انہی القاب و آداب اور صفات محمودہ سے متصف شخصیت نے مودودی صاحب کی تصنیفات و تالیفات کا جائزہ لیکر جب ان کا تعاقب کیا اور ان کے دجل و نمیس کو آشکارا کیا تو ماہنامہ تجلی کے اسپر تبصرے اور تنقید اور درشت لب و لہجہ قارئین کیلئے تصویر کا دوسرا رخ ثابت ہوا۔

ابن الہتین اللہ میاں کو تقسیم مغفرت کے متعلق ایک ضابطہ بتا کر مشورہ دے رہے ہیں کہ حضور سے مشروط کر دیجئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو حریص علیکم کا تاج سر پر رکھتے ہیں وہ حق تعالیٰ کے سامنے حقوق العباد (جسمیں قتل مسلم بھی داخل ہے) کی معافی کے لئے ترجم خسروانہ کی اپیل کر رہے ہیں اور اُمت کو دلا بخش من ذی العرش افلا لا کے عقیدے کی تعلیم دے رہے ہیں۔

(۱۰) جب مغفور تہمہ حضور کا ارشاد ہے اور مقام تبشیر میں ہے منزل کے طور پر اسکے تو معنی ہی یہ ہیں کہ اس فوج کے لوگ گناہوں سے پاک اور پارسا تو نہ ہوں گے کہ مغفرتِ اول سے کامیاب ہوں اور بے حساب جنت میں چلے جائیں بلکہ ہوں گے ان میں سے اکثر مرتکبین کبار، کوئی قاتل مسلم ہوگا کوئی آمر قتل مسلم ہوگا کوئی مستبشر بہ قتل ہوگا کوئی مذمن خمر ہوگا کوئی چیتوں اور کتوں سے شکار کا مشغلہ کرتا ہوگا، کوئی شعر گوئی میں تضييع اوقات کرتا ہوگا، ایسے لوگوں کیلئے بھی جب حضور نے مغفور لہم فرما دیا تو کیا اس کا صاف مطلب یہ نہیں کہ جہادِ مدینہ قیصر کا ثواب اس قدر بے نہایت ہے اور یہ فعل ایسا پسندیدہ حق ہے کہ اس فوج کے تمام افراد کے تمام گناہ صغائر بھی کبار بھی، حقوق اللہ بھی حقوق العباد بھی سب بخش دیئے جائیں گے، بلکہ اگر بالفرض ان مجاہدین میں سے کسی کو (معاذ اللہ) ایک تقدیر ازلی کے بموجب کفر و ارتداد کا بھی ابتلا پیش آجائے گا تب بھی اُس غزوہ کے مجملہ شرکار کیلئے (بلا استثنا مرد و عورت، امیر و مامور، سپاہی و سپہ سالار) حق تعالیٰ کی دوسری تقدیر یہ بھی ہو چکی ہے کہ اس ابتلاء کے بعد بھی اسے پھر توبہ و مہارت کی توفیق یقیناً ہو جائے گی، اس طرح وہ مستحق مغفرت بن جائیگا اور حضور کا

فرمان سچا اور پورا ثابت ہو کر رہے گا، گویا حضورؐ نے مغفور تہم فرما کر اُسی دوسری
تقدیر خداوندی کی طرف اشارہ فرمایا تھا جو ابن السّین کے گلے کے نیچے نہیں اترتی۔
ایک نظریہ ہے کہ ہر مسلمان کو اپنا ایمان لانا ضروری ہے، اگر ابن السّین
مکذبین بالقدر میں سے نہیں ہے تو ان کو آنکھ کھول کر وہ ارشاد نبویؐ دیکھنا
چاہیے جسے بخاری و مسلم دونوں نے روایت کیا ہے (دیکھو مشکوٰۃ باب القدر عن ابن السّین)
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ زندگی بھر دوزخیوں کے سے کام کرتا
رہتا ہے حالانکہ وہ جنتی ہوتا ہے، اسی طرح بندہ جنتیوں کے سے کام کرتا رہتا ہے
حالانکہ وہ دوزخی ہوتا ہے، بات یہ ہے کہ انسان کے آخری اعمال کا اعتبار ہوتا ہے
یہ تو تھی تقدیر کی تھیوری اور نظریہ، اب اسکی ایک مثال بھی عہد سعادت ہی
کی سن لیجئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی
سرح رضی اللہ عنہ سے کچھ وحی قرآنی لکھوائی، آیت فتبارک اللہ احسن الخالقین
پر پہنچ کر ایک تقدیر الہی کی بموجب ان کو ارتداد کا استلا پیش آگیا مگر چونکہ ان کو
جنتی ہونا تھا اسلئے دوسری تقدیر الہی سے وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سعی
سے ان کے عہد میں دوبارہ اسلام لائے اور فاتح مصر بنے، رضی اللہ عنہ، حالانکہ
لسان نبوت نے (جہاں تک مجھے علم ہے ان کے بارے میں مغفور تہم
کی بشارت دی بھی نہیں تھی، اگر مزید سپہ سالار غزوہ قسطنطنیہ کیلئے بھی جس سے
شاید کفر و ارتداد ہوا بھی نہیں تھا، حق تعالیٰ نے حضورؐ کے ارشاد مغفور تہم
کی لاج رکھنے کیلئے دوسری تقدیر، توبہ صادقہ قبل الموت، وفات علی الایمان کی
فرمادی ہو تو ابن السّین کو اس تقدیر الہی سے انکار کیوں ہے؟ بیتوا و توجروا :-



عنایت فرماتے مسلمہ، بعد سلام مسنون
کئی دن ہوئے اول رسالہ تحبّتی اور پھر گرامی نامہ پہنچا، رسالہ کی آمد سے
تعجب ہوا کہ کیوں آیا، معمولی ورق گردانی سے بھی پتہ نہ چلا کہ کیوں آیا پھر گرامی نامہ
کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ کوئی استفتا اسمیں ہے تو خیال ہوا کہ دارالافتاء میں
بھیج دوں اسلئے کہ یہ ناکارہ مفتی نہیں ہے نہ فتاویٰ کے جواب لکھتا ہے، اس
ناکارہ کے نام جو فتاویٰ آتے ہیں وہ دارالافتاء ہی میں بھیج دیتا ہے بلکہ زبانی بھی
کوئی مسئلہ دریافت کرتا ہے تو مفتی صاحب کے پاس بھیج دیتا ہوں کہ افتاء کی
ذمہ داری سخت ہے اور یہ ناکارہ افتاء کا اہل نہیں ہے، لیکن ایک صاحب نے
جو اتفاق سے یہاں بیٹھے تھے رسالہ کو دیکھا اور اسمیں اس ناکارہ کے نام پر نظر
پڑ گئی تو انھوں نے متوجہ کیا۔ اس پر دیکھ کر معلوم ہوا کہ فتویٰ نہیں ہے۔ بلکہ
بخاری شریف کی ایک حدیث کے متعلق اشکال ہے۔ اس پر بھی اول تو یہ ہی
خیال رہا کہ رسالہ اور گرامی نامہ دونوں واپس کر دوں، اسلئے کہ اول تو یہ ناکارہ اس
میدان کارزار میں کودنے کی اہلیت نہیں رکھتا، دوسرے کئی ماہ سے آنکھوں میں
تکلیف ہے۔ حکیم ڈاکٹر نزول آب بتاتے ہیں۔ نومبر سے ڈاک بھی عموماً دوسرے
ہی لکھ رہے ہیں۔ اسلئے مراجعت کتب کی ان حالات میں ہمت بھی نہیں ہے۔
پھر اس خیال سے کہ مشہور حدیث ہے۔ بخاری شریف پڑھانے میں اللہ سے
اس حدیث پاک پر کم و بیش کلام کرنا ہی پڑتا ہے اسلئے مراجعت کتب کی ضرورت
بھی نہیں۔

اسلئے جو ذہن میں سوالات کے متعلق حاضر ہے وہ لکھواتا ہوں، کوئی بات سمجھ میں آئے قبول فرمائیں، کوئی بات بھی قابل قبول نہ ہو تو کالائے بد پریش خاوند، اس پرچہ کو چاک فرمادیں، رد و قدح، مناظرہ اور جواب الجواب سے بندہ کو معذور خیال فرمادیں کہ یہ ناکارہ اس میدان میں کودنے کو آمادہ نہیں ہے۔

بندہ کے نزدیک عوام میں ایسے امور کا پھیلانا دینی حیثیت سے مضر ہے کہ وہ حدود دین میں نہیں رہتے، کسی ایک جانب کو جو بادی الرای میں ان کی سمجھ میں آجائے نہایت شد و مد سے لیکر دوسری جانب انفراط و تفریط شروع کر دیتے ہیں۔ لہذا مختصر عرض ہے کہ۔

(۱) بندہ کے نزدیک مغفور لہم سے مغفرت اُولیٰ ہی مراد ہے، جس سے دخول جنت اُولیٰ ہی مراد ہے، اسکے باوجود ابن التین وغیرہ کو جو مشکلات پیش آئیں وہ آئندہ عرض کر دیں گا، اور اگر دخول غیر اُولیٰ ہی مراد ہو تب بھی کوئی مانع نہیں۔ اس صورت میں تبشیر کا مقصد ان کی موت علی الایمان کی بشارت ہے کہ اس صورت میں منتہی کے اعتبار سے دخول جنت مراد ہے اور تبشیر عدم خلود فی النار کی ہے۔

(۲) اس کا جواب بھی معلوم ہو گیا کہ یہ یقیناً خاص حالات میں مخصوص تبشیر ہے اور اس حدیث پاک کا مقصد ہی یہی ہے کہ ان جملہ شرکارِ جلّیش کی جن میں یزید بھی ہے مغفرت کی بشارت ہے۔

(۳) یہ تو ظاہر ہے کہ تبشیرات شرائط کے ساتھ مقید ہوا کرتی ہیں، اسکی نظیر تو آپ نے خود ہی اپنے سوال نمبر نو میں لکھ دی، اسکے علاوہ بھی کتب فضائل اعمال میں بہت سی نظیریں ملیں گی جو کتب حدیث کی معمولی ورق گردانی سے بکثرت مل سکتی ہیں

فضائل وضو، فضائل نماز، فضائل جہاد، روزہ، حج وغیرہ کے فضائل میں بکثرت تبشیرات ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ سب مقید بقیود ہیں، کیا یہ عقل میں آتا ہے کہ آدمی ہزاروں گناہ کرتا رہے اور وضو سب کو ساتھ ساتھ دھوئی رہے۔

(۴) یہ تو ظاہر ہے کہ جو شرط اس حدیث مغفور لہم میں مانی جائے گی وہ سب ہی ملحوظ ہوگی اور آپ نے تو نمبر پانچ میں خود ہی تسلیم کر لیا کہ ابن التین جو شرط لگاتے ہیں وہ بات صحیح اور تسلیم تو ہے۔

(۵) آپ کا یہ ارشاد کہ یہ بات صحیح تو ہے مگر اس کا طرز بیان شرط و جزا سے ہوتا ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ دونوں طرح کے سیاق کثرت سے احادیث میں ملیں گے اسی عجم الوداع کے قصہ میں مشکوٰۃ کے اسی باب میں جس سے آپ نے حدیث مندرجہ سوال نمبر نو نقل کی ہے۔ حضرت جابر کی حدیث میں اللہ تعالیٰ شانہ کا پاک ارشاد اشہدکم انی غفرت لہم ہے۔

اس ناکارہ کے رسالہ فضائل رمضان میں متعدد روایات بغیر شرط و جزا کے آپ کو ملیں گی مثلاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت یغفر لہم فی آخرہ اور حضرت انس کی روایت اذّا کان یوم عید ہم یاہی جہم ملئکتہ فقال یا ملائکتی ماجزاء اجیرونی عملہ، قالوا ربنا جزاؤہ ان یوفی اجرہ قال ملائکتی عبیدی وامائی تضرعون فیستغفر علیہم ثم یرجوا یرجعون الی الدعاء وعزتی وجلالی وکرمی وعلتی وارتفاع مکانی لا حبیبینہم فبقول ارجعوا فقد غفرت لکم وابدلت سیئاتکم حسنات قال

لہ فضائل رمضان صفحہ ۱۳۰

فیرجعون مغفور الہم، کیا آپ اس حدیث کے جو موکد بالا خلافت بھی ہے
مغفور الہم اور حدیث قسطنطنیہ کے مغفور الہم میں کوئی فرق کریں گے؟ جب کہ
یہاں بھی شرط و جزا نہیں ہے، یا اس حدیث کی بنا پر جملہ صائمین کو دخول اولیٰ
بخشیں گے، چاہے کتنے ہی فسق و فجور کے مرتکب ہوں اور کتنے ہی قتل عداوہ
ہنب و غارہ کے مرتکب یہ صائمین ہوں، اس نوع کی بکثرت روایات آپ کو ملیں گی
(۶) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی بشارتیں احادیث صحیحہ سے ثابت
ہوں گی چاہے وہ افراد کی ہوں جیسا کہ عشرہ مبشرہ وغیرہ یا جماعت کی ہوں ان سے
دخول اولیٰ ہی مراد ہے، لیکن نادکب شرط سب جگہ مجبوراً ماننا پڑے گا ورنہ
نصوص قطعیہ قرآن و حدیث جن میں کبار تبرہ و عیدیں آئی ہیں وہ سب غلط کہنا
پڑیں گی، اسکے بعد جہاں کوئی معارض نہ ہوگا جیسا کہ عشرہ مبشرہ وغیرہ کی روایات
ہیں وہ اپنے ظاہر پر رہیں گی اور جہاں بھی روایات تبشیر دوسری نصوص بالخصوص
نصوص قطعیہ سے معارض ہو جائیں گی وہاں مجبوراً تادیل کرنی پڑے گی، جیسا کہ
ہمیشہ اختلاف روایات کے موقع پر کرنا پڑتا ہے، یہی مجبوری ان سب حضرات
اکابر کو سلفاً خلفاً پیش آئی جس کی وجہ سے حدیث قسطنطنیہ کی تادیلات کی ضرورت
پیش آئی اور مختلف تادیلات اکابر سے نقل کی گئیں۔

(۷) جب کہ ان حضرات کو بخاری شریف کی حدیث کی مجبوراً توجیہ کرنی پڑی،
تو جمع الفوائد کی روایت (کبیر بلین مٹولا) سے مرعوب ہونا تو مشکل ہے اور ظاہر ہے
کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشاد کے بعد کسی غوث، قطب کو کیا حق ہو سکتا ہے

۱۔ جمع الفوائد صفحہ ۲۱۸ جلد دوم، مطبوعہ مطبعہ خیرہ میرٹھ

کہ خلاف شرع کچھ کہہ سکے جب کہ خود سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کو لغد کد ت
قرکن الیہم شیاً قلیلاً پر لا ذقنک ضعف الحیات وضعف المتنا
کا ارشاد عالی وارد ہو گیا۔ لیکن جب یہ روایات ومن یقتل مؤمناً متعمداً
فجزاۃ جہنم خالداً فیہا وغضب اللہ علیہ ولعنہ (الآیہ) کی
وعیدات قطعیہ کے خلاف ہو جائیں تو غوث قطب نہیں بلکہ عام مومن بھی روایت
کی تادیل و توجیہ کی طرف دوڑے گا۔

یہ امر آخر ہے کہ زید اس آیت کا مصداق ہے یا نہیں، لیکن جن کے نزدیک
اس آیت کے مصداق میں داخل ہے وہ ایک بخاری یا جمع الفوائد کیا نص قطعی
کے مقابلہ میں سب اخبار آحاد کو رد کر سینگے یا توجیہ کریں گے۔

(ب) بالفرض سے جو آپ نے لکھا وہ تو نیت سے تعلق رکھتا ہے جس کا
اس ناکارہ کو تو علم نہیں کہ کس خیال سے قتل کیا تھا اسلئے یہ ناکارہ تو کوئی حکم
نہیں لگانا، مگر ابن التین، تفتازانی وغیرہ متشددین کے نزدیک اگر محض حصول
سلطنت اور اپنے وقار کا مخالف اور دنیوی اغراض کے خیال سے قتل کیا ہو تو وہ
توسب کچھ کہیں گے۔

آپ نے حضرت عمرؓ کا ارشاد اتقوا اللہ کا حوالہ تحریر نہیں فرمایا کہ حدیث
کی کوئی کتاب میں ہے اور بندہ اس وقت مراجعت کتب سے معذور ہے مگر
جمع الفوائد کے جس باب سے آپ نے ام سلمہ کی حدیث بالانقل فرمائی اس باب
میں ابن عمرؓ کی یہ حدیث آپ نے ملاحظہ نہیں فرمائی انظر والی ہذا ایسا لئی
عن دم البعوض وقد قتلوا ابن النبی صلی اللہ علیہ وسلم و فی

روایۃ تسالوناعن قتل الذباب وقد قتلتم ابن بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم و فی اخری ما اسالہم عن الصغیرۃ واجراہم علی الکبیرۃ (البخاری) اگر ابن عمر کے نزدیک یہ آپ کی مندرجہ حدیث کے تحت میں تھا اور ان کا قتل مامور بہ تھا تو وہ قاتل کو اجراء علی الکبیرہ نہ فرماتے۔

میرے خیال میں حضرت ابن عمر کا ذکر آپ نہ فرماتے تو آپ کیلئے زیادہ مفید ہوتا کیونکہ وہ آپ کے خلاف معلوم ہوتے ہیں کہ وہ قاتلین کو مرتکب کبیرہ بتاتے ہیں حدیث اقتلوا کائنات من کان اگر مشہور ہے تو لا طاعة لمخلوق فی معصیۃ الخالق بھی شہرت میں کم نہیں ہے بلکہ اس سے زیادہ ہی مشہور ہے اور من رأی منکراً فلیغیرہ بیدہ (الحديث) دونوں سے زیادہ مشہور ہے ولناخذن علی یدی الظالم ولناطرنہ علی الحق اطراً ولنقصرنہ علی الحق قصراً، اولیضربن اللہ قلوب بعضکم علی بعض ثعلیلعنکم کما لعنہم بھی حضور ہی کا ارشاد ہے۔

نیز جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مامور و مرسل امیر کے متعلق مامور کے خلاف کرنے کی صورت میں معزول نہ کرنے پر ناراضی کا اظہار فرماتے ہیں جیسا کہ ابوداؤد شریف کی حدیث ہے۔

لورایت ما لانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اعجزتم اذا بعثت رجلاً منکم فلم یعض لأمری ان تجعلوا مکانہ من یعضی لأمری۔
تو اگر امام حسین اپنے کو اس سے عاجز نہیں سمجھتے اور اس ارشاد کی تعمیل کی

لے جمع الفوائد جلد دوم ص ۳۵ مشکوٰۃ۔ مطبوعہ رشیدیہ دہلی، ہے ابوداؤد شریف۔

سعی فرماتے ہیں تو وہ کیسے وعیدات بالا میں داخل ہوں گے اور جو حضرات عوارض یا عدم قوت کی وجہ سے یا فتنہ کے خوف سے اپنے کو عاجز سمجھتے ہیں ان کو یقیناً روکنا ہی چاہیے تھا۔ اسلئے جن حضرات صحابہ کرام نے شرکت سے روکا ان پر بھی اشکال نہیں اور جنہوں نے منکر کو روکنے کی سعی فرمائی ان پر بھی ملامت نہیں۔

(۸) یقیناً یہ وحی بھی ہے، بشارت بھی ہے، دخول اولیٰ بھی ہے اور جو جواب فرمانا چاہیں وہ سب کچھ ہے لیکن خبر واحد ہے قطعی نہیں ہے، اسلئے جب ان نصوص قطعیہ کے خلاف ہوگی جن میں کبار اور قتل عمد وغیرہ پر وعیدیں ہیں تو لامحالہ کوئی توجیہ کرنی پڑے گی، اسی لئے اکابر سلفاً خلفاً توجیہات فرماتے رہے۔

(۹) یہ نمبر بالکل سمجھ میں نہیں آیا، میرے خیال میں تو اس نمبر میں آپ نے سابقہ دلائل کا سب کا خود ہی رد کر دیا۔ سلم و سلامتی والا سلام اور شان رحمت للعالمین اور مالک کی غفارت اور حمایت کی روح اپنی جگہ لیکن وہی سلم و سلامتی والا سلام حدود و قصاص پر کتنا زور دیتا ہے۔ وہی رحمت للعالمین جن کی شان رافت اور رحمت للعالمین ہونا نص قطعی ہے لیکن ان ہی کی صفات میں اذا انتھک من معارم اللہ تعالیٰ شیئاً کان من اشدھم فی ذلک غضباً بھی ہے وہ فتح مکہ کے عفو عام میں سے چند کو یہ کہہ کر مستثنیٰ بھی فرمادیتا ہے کہ لا اومنہم فی حل ولا حرم، اور ابن خطل کے تعلق باسار الکعبہ کے باوجود اقلہ کا حکم فرماتا ہے مالک اور ارحم الراحمین اپنی ساری رحمت کے باوجود قرآن پاک میں ان الذین یشترون بعہد اللہ وایمانہم ثم انقلبوا علی اؤلئک لا ینالہم

لے شامل ترمذی، باب ماجاء فی خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

فِي الْآخِرَةِ وَلَا يَكْلَهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔ بھی فرماتا ہے۔ وہ انزلنا علی الذین ظلموا رجزاً من السماء بما كانوا يفسقون۔ بھی فرماتا ہے۔ جو سید الکونین کو بھی ولئن اتبعت أهواؤكم من بعد ما جاءك من العلم انك اذا لمن الظالمین ارشاد فرماتا ہے۔ جو من لم یحکم بما انزل الله فاولئك هم الظالمون فرماتا ہے جو شر قیل للذین ظلموا ذوقوا عذاب الخلد بھی فرماتا ہے۔ جو انا اعتدنا للظالمین ناراً احاط بهم سرادقها بھی فرماتا ہے جو قد خاب من حمل ظلماً بھی فرماتا ہے۔ جو الذین ظلموا من هؤلاء سیصیبهم سیئات ما کسبوا فرماتا ہے۔ جو لا یرد باسنا عن القوم المجرمین فرماتا ہے۔ جو انا من المجرمین منتقمون بھی فرماتا ہے وہ وامتازوا لیوم اننا المجرمون بھی فرماتا ہے۔ ان المجرمین فی عذاب جهنم خلدون بھی فرماتا ہے۔ ان المجرمین فی ضلال وسعر۔ یوم یسعیون فی النار علی وجوههم ذرقوا من سقر بھی فرماتا ہے۔ ومن یکتب خطیئة او اثماً تعزیم به بریئاً فقد اخطأ بهتاً واثماً متبیناً بھی فرماتا ہے۔ وکفی بربک بذنوب عباده خبیراً بصیراً بھی فرماتا ہے۔ والذین کسبوا السیئات اور الذین فسقوا فمأواهم النار بھی فرماتا ہے۔

کہاں تک نقل کروں، قرآن پاک کی سیکڑوں آیات ان مضامین و عید پر مشتمل ہیں، آپ خود غور کریں کہ جن لوگوں کی تحقیق میں یزید ظلم تعدی فسق و فجور کی آیات میں داخل ہو۔ اسکو بخاری شریف کی ایک روایت معذور تہم میں داخل

ہونا کیسے بچا سکتا ہے۔

یہ امر آخر ہے کہ وہ ان میں داخل ہے یا نہیں؟ لیکن اگر داخل ہو تو آپ ہی بتائیں کہ آپ کیا کہیں گے آپ خود مجبور ہوں گے اسی کے کہنے پر جو تفتازانی وغیرہ نے کہا۔

آپ نے اس موقع پر عرفہ والی روایت مغفرت عامہ کی اپنی تائید میں لکھی مجھے حیرت ہے کہ یہ حدیث آپ نے کیوں لکھ دی یہ حجتہ کم ہے یا حجتہ عظمیٰ اس نے تو آپ کی ساری تحریر کا خود ہی جواب بتا دیا، کیا اس روایت کا مفہوم یہ ہے کہ لوگ سال بھر تک قتل و غارت کرتے رہیں، خوب لوٹ مار کریں، مسلمانوں کا قتل عام کریں، ان کے مالوں کو لوٹیں، نہ نماز پڑھیں نہ روزہ رکھیں، کوئی معروف نہ کریں، کوئی منکر نہ چھوڑیں، عمر بھر میں ایک مرتبہ حج کر لیں پھر عمر بھر کو ان کی چھٹی ہے، جو جو مظالم چاہیں کرتے رہیں وہ سب باری عز اسمہ کے ذمہ اور حقوق اللہ اور اسکے محارم کا انتہاک سب معاف۔ میری سمجھ میں بالکل نہیں آتا کہ آپ نے یہ حدیث کیوں لکھ دی جس کے متعلق ملا علی قاری نے ضعفہ غیر واحد من الحفاظ لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ظاہر الحدیث عموم المغفرة وشمولها حق الله وحق العباد الا انه قابل للتقييد بمن كان معه صلى الله عليه وسلم في تلك السنة او بمن قبل حجه

بان لم یفرث ولم یفسق۔ ومن جملة الفسق الاصرار علی المعصية وعدم التوبة ومن شرطها اداء حقوق الله الفائتة وقضاء حقوق العباد اور بحث کے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ اذا تأملت ذلك كله عملت انه ليس

فی هذه الاحادیث ما یصلح متمسکاً لمن زعم ان الحج یکفر التبعات لان الحدیث ضعیف بل ذهب ابن الجوزی الی انه موضوع — اور یہ بھی لکھا ہے قال البیهقی فلا ینبغی لمسلم ان ینفی نفسه بان الحج یکفر التبعات۔ فان المعصیۃ شؤم وخلاف الجبار فی اوامرہ ونواہیہ عظیم واحد نا لا یصبر علی حمی یوم اوجع ساعة فکیف یصبر علی عقاب شدید، وعذاب الیم۔ ۱۰

اس ناکارہ کی شرح موطا و جز المسالک میں بھی اس مسئلہ پر مختصر بحث ہے جس میں قاضی عیاض کا یہ قول بھی نقل کیا ہے اجمع اهل السنة ان الکبائر لا یکفرها الا التوبۃ ولا قائل بسقوط الدین ولو حقاً اللہ کدین صلوة وزکوة — اور اسی میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے من اعتقد ان الحج یسقط ما وجب علیہ من الحقوق یرتاب والقتل ولا یسقط حق الادمی بحج اجماعاً۔ ۱۱۔ تہ حالانکہ مختلف طاعات کے مکفر سیئات ہونے کے بارے میں بہت کثرت سے روایات وارد ہوئی ہیں۔ لیکن نصوص قطعہ کے خلاف کی وجہ سے اکابر اُمت کو سلفاً خلفاً ان کی توجیہات مختلف کرنے کی ضرورت پیش آئی، اس صورت میں اگر بخاری شریف کی ایک حدیث کے مغفور لہم کی توجیہات کرنی پڑیں تو کیا استحالہ ہے۔

درحقیقت آپ نے عباس بن مرداس والی حدیث لکھ کر علماء کو اس طرف متوجہ کیا کہ وہ ابن التین کے فیصلہ کو آپ کے فیصلہ پر ترجیح دیں۔

۱۰ مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۲۱ جلد ثالث ۱۱۔ ۱۲ اجزا المسالک جلد ثالث

آپ نے لکھا کہ ابن التین ذرا دیکھیں کہ اس حدیث میں بھی اسی مغفرت کا ذکر ہے جس کے ایک صیغہ مغفور لہم نے ان کو بدحواس اور تاویلات پر آمادہ کر دیا۔ لیکن آپ ہی اپنے اقرار کی رو سے دیکھیں کہ عباس بن مرداس کی حدیث میں بھی وہی صیغہ ہے جو قسطنطنیہ والی حدیث میں ہے تو کیا آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام و تقدیس اور انعام خداوندی کی خاطر یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ سارے مسلمان خوب قتل و غارت، حرام کاری، زنا کاری وغیرہ ہر منکر کرتے رہیں، کسی معروف کے پاس نہ پھٹکیں، کسی منکر سے ذرا بھی نہ بچیں البتہ عمر بھر میں ایک حج کر لیں، پھر مرے ہی مرے ہیں۔

اس میں ذرا تصنع نہیں کہ میری عقل بالکل حیران ہے کہ یہ عرفہ والی حدیث آپ نے کیا سوچ کر لکھ دی، ابن التین کے حامیوں کی خود ہی رہنمائی کی کہ بخاری شریف کی حدیث مغفور لہم قابل تاویل ہے، اسلئے کہ عرفہ والی حدیث کے بھی بقول آپ کے وہی لفظ ہیں اور وہ قطعاً ماول ہیں، وہ اپنے ظاہر پر اگر رہیں تو آخرت میں جو ہوگا، سو ہوگا، دنیا میں بھی ظہور الفساد فی البر والبرق قائم ہو جائے گا، نہ معلوم ابن التین کی مخالفت میں آپ خود کہاں پہنچ گئے۔

(۱۰) بندہ کے خیال میں نمبر نو کے بعد اس کے جواب کی ضرورت نہیں ہے۔

اس میں آپ نے کوئی نئی بات نہیں لکھی بلکہ اسی کا دوسرے الفاظ میں اعادہ کر دیا۔ میں ابن التین کی طرف سے آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ جب عرفہ والی حدیث اور قسطنطنیہ والی حدیث کے الفاظ بقول آپ کے ایک ہی ہیں اور اس جہاد میں مرتکبین کبار قاتل مسلم امر باقتل وغیرہ سب ہی ہوں گے جیسا کہ مغفور لہم سے معلوم

ہوتا ہے اور سب کے جملہ معاصی و مظالم معاف جنت کا دخول اولیٰ ان کیلئے طے شدہ ہے تو پھر ساری دنیا کے بد معاش، لیسے، زانی، شرابی، بے نمازی، روزہ خور، سود خوار کیوں حج سے مغفور لہم نہیں بنیں گے۔

کسی حاجی کا چاہ ہے وہ حج سے قبل اور بعد کتنا ہی بدکار قاتل مسلمین کیوں نہ رہا ہو، جنت میں دخول اولیٰ طے ہے اور ایک حج ہی کیا فضائل اعمال کی احادیث میں تکفیر السیئات اس کثرت سے وارد ہیں کہ لاتعداد ولا تخصی، لیکن اسکے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ المفلس من امتی من یاتی یوم القیامۃ بصلوۃ و بعیام و زکوۃ و یاتی قد شتم هذا و قد ف هذا و اکل مال هذا و سفلک دم هذا و ضرب هذا ف یعطى هذا من حسناتہ و هذا من حسناتہ (الی اخر الحدیث رواہ مسلم) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد آپ کے زعم باطل کے مطابق ضرور سچا ہونا چاہیے، اللہ تعالیٰ شانہ کا پاک ارشاد و من یقتل مؤمناً متعمداً فجزاؤہ جہنم خالداً فیہا و غضب اللہ علیہ و لعنہ و اعداؤہ عذاباً عظیماً۔ بلا سے غلط ہو جائے۔

آپ نے آخر میں حدیث قدر کو بھی پیش کیا۔ بندہ اپنے قلت فہم کی وجہ سے اس استدلال کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ اسلئے کہ بندہ کو علم نہیں کہ علام الغیوب نے یزید کی تقدیر میں کیا لکھا تھا، آپ کے علم میں اگر ہے تو یقیناً حدیث سے استدلال کر لیں، اس ناکارہ نے تو قرآن پاک میں قل ما کنت بد عاقبت الرسل وما ادری ما یفعل بنی و ذلکمر بڑھا ہے اور بخاری شریف میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد دیکھا ہے ان اناسا کانوا یرخذون بالوحی فی عہد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ و سلعون بالوحی قد انقطع و انما تاخذ کما الان بما ظہر لنا من اعمالکم فمن اظہر لنا خیراً امناً و قربناہ و لیس الینا من سریرتہ شی اللہ محاسبہ فی سریرتہ۔ و من اظہر لنا سوءاً لمرئنا منہ و لمرئنا منہ و ان قال ان سریرتہ حسنۃ لے اسلئے ہم لوگ تو ظاہر حال ہی کے موافق حکم لگا سکتے ہیں باطن احوال یا مقدرات کو تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، اسلئے جن کا ظاہر فسق و فجور میں مبتلا ہو اسکو عشرہ مبشرہ کی لائن میں شمار کرنا مشکل ہی ہے۔

یہ سب تو آپ کے استفسارات کے متعلق ہے، خود یہ ناکارہ اس مسئلہ میں حضرت قطب عالم گنگوہی قدس سترہ کا متبع ہے۔ ایک طویل سوال کے ذیل میں حضرت قدس سترہ کا جواب یہ نقل کیا گیا ہے۔

”اس قدر تطویل سوال میں بے فائدہ کی ہے، حدیث صحیح ہے کہ جب کوئی کسی پر لعنت کرتا ہے اگر وہ شخص قابل لعن کا ہے تو لعنت اسپر پڑتی ہے، ورنہ لعنت کرنے والے پر رجوع کرتی ہے۔ پس جب تک کسی کا کفر پر مبنی نہ ہو جائے اسپر لعنت کرنا نہیں چاہیئے کہ اپنے اوپر عود لعنت کا اندیشہ ہے، لہذا یزید کے وہ افعال ناشائستہ ہر چند موجب لعن کے ہیں مگر جن کو محقق اخبار سے اور قرآن سے معلوم ہو گیا کہ وہ ان مفاسد سے راضی و خوش تھا اور ان کو مستحسن اور جائز جانتا تھا اور بدو نہ تو یہ کہ مر گیا تو وہ لعن کے جواز کے قائل ہیں اور مسئلہ یونہی ہے اور جو علماء اسمیں تردد رکھتے ہیں کہ اول میں وہ مومن تھا

اسکے بعد ان افعال کا وہ مستحل تھا یا نہ تھا اور ثابت ہو یا نہ ہوا، تحقیق نہیں ہوا۔ پس بدوں تحقیق اس امر کے لعن جائز نہیں، لہذا وہ فریق علماء کا بوجہ حدیث منع لعن مسلم کے لعنت سے منع کرتا ہے اور یہ مسئلہ بھی حق ہے۔ پس جواز لعن و عدم جواز کا مدار تاریخ پر ہے۔ اور ہم مقلدین کو احتیاط سکوت میں ہے، کیونکہ اگر لعن جائز ہے تو لعن نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، لعن نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت نہ مستحب محض مباح ہے اور جو وہ محل نہیں ہے تو خود مبتلا ہونا معصیت کا اچھا نہیں؛ فقط والشر اعلم رشید احمد لہ

پس یہی اس ناکارہ کا مسلک ہے۔ رہی یہ بات کہ اسکے فسق و فجور کی روایات سب یکسر غلط ہیں (یہ دعویٰ) مشکل ہے جب کہ تاریخی روایات اتنی کثرت سے ہیں کہ ان کو رد کرنا جو بجد تو اثر تقریباً پہنچ گئی ہوں تاریخ سے کلیۃً اعتماد اٹھاتا ہے، اور اگر یہ سب روایات اپنی کثرت کے باوجود رد کی جاسکتی ہیں تو پھر یہی کونسا نص قطعی ہے کہ یزید اس لشکر میں شریک تھا، یہ بھی تاریخ ہی کی روایات ہیں، مخالف کو حق ہے کہ وہ اس کی ہی تغلیط کر دے کہ یزید اس لشکر میں شریک تھا۔

آخر میں اس ناکارہ کی یہ بھی درخواست ہے کہ مسلمانوں کو اس اہم موقع پر دین کے اہم کاموں میں مشغول ہونا چاہیے۔ یہ بے فائدہ بحث ہے جس کا اس وقت عمل سے کوئی تعلق نہیں ہم لوگوں کے ذمہ اس مقدمہ کا فیصلہ نہیں ہے۔ عوام کی عقول ان دفتار کی باریکیوں تک پہنچنے سے قاصر ہے۔ دلائل ہر فریق کے پاس نصو سے بکثرت ہیں۔ ایسی حالت میں ایسی فضول بحثوں سے عوام میں انتشار پھیلانا اس

ناکارہ کے نزدیک ہرگز مناسب نہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا مشہور مقولہ جس کو انہوں نے مشاجرات صحابہ کے متعلق سوال پر فرمایا تھا۔ تَلَکَ دَمَاءُ طَهَرَ اللّٰہَ اَیْدِیْنَا فَلَئِنْ لَمْ تَلَوْثِ السُّنَنَ لَیَبْہَا۔ اب زر سے لکھنے اور اسوہ بنانے کے قابل ہے اس کو یہ ناکارہ اپنے رسالہ الاعتدال میں تفصیل سے لکھ چکا ہے جی چاہے تو ملاحظہ کر لیں۔

لہذا یزید نے جو کچھ کیا وہ لہا ما کسبت و علیہا ما اکتسبت میں داخل ہے۔

کہاں تک روئے گا اور جینے والے مرنے والے کو
کچھ اپنی فکر کر تجھ کو پرانے غم سے کیا مطلب

اس وقت مسلمانان عالم الحاد و دہریت میں اور اس سے بڑھ کر بھارتی مسلمان ارتداد کے دروازہ پر ہیں مساعی جمیلہ کو ان کے نچتہ مسلمان بنانے میں صرف کریں جس میں کسی کا اختلاف نہ کوئی آخرت کی جواب دہی کا خطرہ و فتنی اللہ وایاکم لعایجب و بیضی۔

زکریا، مظاہر علوم (سہارنپور)
۱۱/ شوال ۱۳۸۰ھ

عزائمہ
باساز العیوب

کام لیاہی جیسی خاتمہ سیر
کر سکی گر بخونی تیرے تیرے

عقل کیا اسکو کہیں اشرق سی ہی،
زماوے

بس تراویح تیرے کو لکھتے

شفہ محمد عبد الرحیم غفر اللہ ذلویہ در سنہ ہجری

تاریخ وفات جناب المحترم محمد عبد الرحیم خاٹر جیسوری رحمہ اللہ
۱۸ جمادی الاول ۱۳۴۷ھ بمطابق ۲۳ جنوری ۱۹۲۹ء بمقام کراچی
ناشر

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى

حضرت علیؑ اور علم و نبویؐ

انہ

جناب مولانا محمد عبد الرشید نعمانی

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ جواداً حضرت صلی اللہ تعالیٰ
علیہ و آلہ وسلم کے ابن عم آپ کے داماد، سابقین الاولین میں ممتاز
سب سے پہلے اسلام لانے والے، عشرہ مبشرہ کے بزم نشین، خلافت
راشدہ کے چوتھے رکن، ان کے فضائل و کمالات کو کوئی کیا بیان کرے۔

بقول حافظ ابن حجر عسقلانی

مات فی رمضان سنة اربعین
وهو يوم عيد افضل الاحياء
من بنی ادم بالارض باجماع
اهل السنة - (تقریب التہذیب)
رمضان سنہ ہجری میں جب اس
خاکدان عالم کو آپ نے خیر باد کہا تو
باجماع اہل سنت روئے زمین پر جتنے
بھی انسان بقید حیات تھے ان سب آپ افضل
تھے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ
ان الخلافة لمرثیین علیاً بل
عنہ کو زینت نہیں بخشی بلکہ حضرت علیؑ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت کو زینت بخشی ہے

اور اسے بنا پر امام ممدوح کی تصریح ہے کہ

من لم ير لرجل بعلي في الخلافة جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ چہارم
فہو اضل من حصار اہلہ نہ مانے وہ اپنے گھر کے گدھے سے بھی
زیادہ بے وقوف ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی گر القدر تصنیف "قرۃ العینین

فی تفصیل الشیخین" میں حضرت مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے فضائل کا ایک

مختصر ساجزہ لیا ہے جو ہدیہ ناظرین ہے۔ فرماتے ہیں :

علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فضائل بہت ہیں اور ان کے مناقب بے شمار۔

۱۔ وہ پہلے ہاشمی ہیں جو ایک ہاشمی خاتون کے بطن سے پیدا ہوئے۔

۲۔ ان کی ولادت خانہ کعبہ میں ہوئی۔ یہ ایسی فضیلت ہے جو

ان سے پہلے صرف ایک صاحب کو نصیب ہوئی تھی۔ اور یہ صاحب جیسا کہ

"مستدرک حاکم" میں مذکور ہے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

۳۔ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آغوش تربیت

میں نشوونما پائی۔

۴۔ ایک قول کے مطابق یہی پہلے شخص ہیں جو سب سے پہلے ایمان

لائے۔ دوسرے قول کے مطابق پہلے مسلمان حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ

تعالیٰ عنہ ہیں۔

۵۔ حافظ خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں اس کو امام احمد سے بسند روایت کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو تاریخ بغداد ج ۱، ص ۱۳۵۔ طبع مصر۔)

۶۔ "منہاج السنۃ" از حافظ ابن تیمیہ ج ۱، ص ۱۴۴ طبع مصر ۱۳۲۱ھ

۵۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ عنہ کے خویش (داماد) تھے اور آنحضرت

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد کا سلسلہ ان ہی کے صلب سے باقی رہا۔

۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے موقع پر بستر نبوی پر جا کر

یہی سوئے تاکہ لوگ یہ گمان نہ کریں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جا چکے ہیں۔

۷۔ مدینہ نبوی میں عقد مواخات کے وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کی مواخات (یعنی آپ کے بھائی بننے) کا شرف حاصل ہوا۔

۸۔ غزوہ بدر میں قریش کے پہلوانوں نے جب مبارزت طلب کی تو حضرت

علی مرتضیٰ حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی ان کے مقابلہ میں میدان

جنگ میں اترے اور غالب رہے اور پھر اس بشارت سے مسرور ہوئے کہ

"روز قیامت جب (مومنین کی) کفار سے محاصرت شروع ہوگی تو سب سے پہلے

حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دونوں بزرگوں کے ساتھ حق تعالیٰ کے حضور

میں کھڑے ہوں گے۔"

۹۔ غزوہ اُحد میں ان چند بزرگوں میں سے یہ بھی تھے جو معرکے میں ثابت

قدم رہے اور اس جنگ میں نمایاں سعی آپ سے ظاہر ہوئی۔

۱۰۔ غزوہ خندق میں عمرو بن عبدود کو جو قریش کا مشہور پہلوان تھا جہنم

رسید کیا۔

۱۱۔ غزوہ خیبر میں آشوب چشم کی وجہ سے جو اس وقت آپ کو لاحق

تھا اولاً شرکت کا موقع نہ مل سکا لیکن بعد کو توفیق الہی نے دشگیری کی اور

باجود آشوب چشم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کی سعادت

نصیب ہوئی اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے آشوب

چشم سے شفا پائی اور قلعة خیبر آپ ہی کے ہاتھ پر فتح ہوا، اور اس موقع پر ایسی

فقیلیت تمامہ آپ کے نصیب میں آئی کہ زبان رسالت سے یہ کلمات آپ کے حق میں صادر ہوئے۔

سابعث غدا رجلاً یحب اللہ میں کل ہی ایسے شخص کو اس مہم پر بھیجیگا ورسولہ ویحبہ اللہ ورسولہ۔ جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اس کا رسولؐ اس سے محبت رکھتے ہیں۔

۱۲۔ غزوات نبوی میں بہت سے مواقع پر عسا کر نبوی کے علم بردار آپ ہی تھے۔

۱۳۔ ۹ھ ہجری میں آیہ برادرت کی تبلیغ کا شرف آپ ہی کے حصہ میں آیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ فرماتے ہوئے کہ لا یبلغہ الا انا اور جل منی اس کی تبلیغ یا تو میں کر سکتا ہوں یا میرے خاندان کا کوئی فرد۔

اس حکم کی تبلیغ کی ذمہ داری آپ ہی کے سپرد کی۔

۱۴۔ غزوہ تبوک میں مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین ہوئے اور اس باب میں

انت منی بمنزلہ ہارون جو منزلت ہارون کی موسیٰ کے یہاں تھی

من موسیٰ وہی تمہاری میرے یہاں ہے کی فقیلیت

عظمیٰ آپ کو نصیب ہوئی۔

۱۵۔ ہجرت کے آخری سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی حکومت پر آپ کو متعین فرمایا اور وہاں کا قلعہ آپ کے ہاتھوں فتح ہوا۔

۱۶۔ اور جب مال غنیمت کے خمس میں سے ایک لونڈی آپ کے حصہ میں آئی اور اس کے بارے میں لوگوں میں قیل وقال شروع ہو گئی تو آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے پاس غیرت کی بنا پر لوگوں کو ان کی ایذا رسانی سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا

ہو منی وانا منہ (تم نے علی کو کیا سمجھا ہے، وہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں۔)

۱۷۔ اور غدیر خم کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خطبہ میں فرمایا:

من کنت مولاه فعلی مولاه میں جس کا دوست ہوں علی اس کے دوست ہیں۔

۱۸۔ اور مباہلہ کے وقت جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اہل بیت کو اپنے ہمراہ لے کر تشریف فرما ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ساتھ تھے۔

۱۹۔ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب یہ دعا فرمائی

اللہم هؤلاء اہل بیتی اے اللہ یہ لوگ (علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ) میرے

فطہم ہم تطہیروا اہل بیت ہیں تو ان کو خوب پاک کر دے

تو حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان حضرات میں نہ صرف شامل بلکہ ان سب کے بڑے تھے۔

۲۰۔ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ان کے حق میں ارشاد ہے:

لا یحب علیاً منافق علی سے نہ کوئی منافق محبت رکھ سکتا ہے

ولا یبغضہ مومن اور نہ کوئی مومن بغض رکھ سکتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا اس بنا پر تھا کہ آپ امر حق پر عمل پیرا اور امر الہی کی بجا آوری میں شدت کے ساتھ سرگرم تھے۔

۲۱۔ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب حکم دیا کہ مسجد نبوی کے سب دروازے جو لوگوں نے اپنی نجی آمد و رفت کے لئے کھول رکھے ہیں بند کر دیئے جائیں تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دروازے کو اس حکم سے مستثنیٰ کر دیا۔ کیونکہ ان کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہمہ ساری کاشرف حاصل تھا اور آپ کو ان کا قرب مطلوب تھا۔

ان اکیس فضائل کو بیان کرنے کے بعد شاہ صاحب ممدوح کے الفاظ ہیں :

ایں بود شرح قیام او بیک جناح اشاعت اسلام جو نبوت کا ایک بازو ہے نبوت کہ افشائے اسلام است اس کے برپا کرنے میں حضرت علی مرتضیٰ و نصرت او در جناح دیگر از رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو مساعی تھیں یہ ان جناحین خلافت نبوت کہ کی شرح ہے اور خلافت نبوت کے دو افشائے علم است آثار جمیل بازوؤں میں سے دوسرے بازو کی نصرت ازوے ظاہر شدند۔ یعنی اشاعت علم کے سلسلے میں جو آپ

سے آثار جمیلہ ظاہر ہوئے (ان کی تفصیل یہ ہے)

۱۔ تعلیم قرآن۔ چنانچہ تاحال آپ کی روایت باقی ہے اور قرآن سبعہ میں سے بعض حضرات اس قرآن مجید کو آپ سے روایت کرتے ہیں۔

۲۔ حدیث نبوی کی روایت کے اعتبار سے آپ کا شمار مکثرین میں ہے یعنی ان اصحاب میں جن سے بکثرت احادیث نبویہ مروی ہیں۔

۳۔ فقہ۔ آپ کے عہد خلافت میں آپ کے ہاتھوں بکثرت مسائل کے فیصلے ظاہر ہوئے۔ اور امت میں محفوظ رہے۔

۴۔ خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کے علم کی گواہی دی اور فرمایا کہ اَنَا مَدِينَةُ الْحِكْمَةِ وَعَلَىٰ بَابِهَا مِائِينَ حَكَمَاتٍ كَاشِفَاتٍ هُمُورٍ اور علی اس کا دروازہ ہیں۔

۵۔ اور مسائل قضایں ان کے تفویق کو بھی بتایا، چنانچہ ارشاد ہے : اقضاکم علی۔ تم میں سب سے بڑے قاضی (مسائل کا فیصلہ کرنے والے) علی ہیں۔

۶۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس امر سے پناہ مانگا کرتے تھے کہ کوئی سخت الجھا ہوا مسئلہ ان کے سامنے ایسے وقت پیش آئے کہ جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود نہ ہوں۔ خود حضرت علی فرمایا کرتے تھے کہ

سلونی عن کتاب اللہ فی اللہ مجھ سے کتاب اللہ کے بارے میں پوچھ ما من آیت الا وانا اعلم لیا کرو بخدا کوئی ایسی آیت نہیں جس کے آیلیل نزلت اور بنھا رام بارے میں مجھے علم نہ ہو کہ وہ رات میں اتری تھی یا سہل او فی جبل تھی یا دن میں اور وہ وادی میں اتری تھی یا پہاڑ پر۔

۸۔ حکمت۔ اور ذہن کا جلدی سے (مسئلہ کی حقیقت کی طرف) منتقل ہو جانا جو حکمت کے شعبوں میں سے ایک عظیم شعبہ ہے اس کا بھرپور حصہ آپ کو ملا تھا چنانچہ حساب کے دقیق مسائل نیز مسئلہ کے ماخذ پر کتاب و سنت اور قواعد مقررہ و مسئلہ کی روشنی میں متنبہ کرنے کے بے شمار واقعات آپ سے منقول ہیں۔

۹۔ اور زہد اور بیت المال کے تصرف میں غایت احتیاط کھانے پینے

پہننے میں سادگی اور بیت المال کی تقسیم میں اپنی قرابت کا پاس لحاظ نہ کرنا۔ ان امور میں بڑے بلند مقام پر فائز تھے۔

یہ اور اس قسم کے اور بہت سے مناقب جمیلہ آپ میں موجود تھے۔ یہ بھی واضح رہے کہ ”قرۃ العینین“ میں شاہ صاحب ممدوح علیہ الرحمۃ کے پیش نظر اختصار لیکن انھوں نے اپنی دوسری بے نظیر تصنیف ازالۃ الخفاء عن خلافت الخلفاء کی جلد دوم میں مناقب مرتضوی پر نہایت مبسوط بحث کی ہے۔ جس کی خوبی اس کے دیکھنے ہی سے معلوم ہو سکتی ہے۔ یہ بحث بڑی تقطیع کے پورے چوبیس صفحات پر صفحہ ۲۵۱ سے لیکر ۲۷۷ تک پھیلی ہوئی ہے۔

حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی علمی خدمات کے سلسلہ میں شاہ صاحب نے ”ازالۃ الخفاء“ میں جو کچھ ارقام فرمایا ہے اس کا نہایت ہی مختصر سا تعارف درج ذیل ہے۔ فرماتے ہیں:

۱۔ و نصیب او از احیاء علوم دینی علوم کے احیاء کے سلسلے میں ان دینیہ آنست کہ جمع او کرد قرآن را بحضرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (ص ۲۷۳) مبارکہ ہی میں آپ نے قرآن کریم حفظ کر لیا تھا۔

چنانچہ تابعین کی ایک جماعت نے آپ سے قرآن مجید کو روایت کیا ہے اور اس روایت کا سلسلہ تاحال باقی ہے۔ امام عاصم جن کے شاگرد امام حفص کی قراءت آج تمام دنیا میں متداول ہے اور ہم اہل ہند و پاک بھی اسی قراءت میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں اس کا سلسلہ اسناد بھی حضرت مرتضیٰ حضرت

لہ ملاحظہ ہو ”قرۃ العینین فی تفصیل الشیخین“ از ص ۱۳۸ تا ۱۴۰۔ طبع مجتبائی۔ دہلی ۱۳۱۰ھ

عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ پر منتہی ہوتا ہے۔ اسی طرح قراء سبعہ میں امام حمزہ کی قراءت کی سند بھی حضرت ذی النورینؓ و حضرت علی مرتضیٰ پر ختم ہوتی ہے۔ اور ان حضرات صحابہ نے خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قرآن مجید اخذ کیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ قرآن جو آج ہم پڑھتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اسی طرح بعینہ لوگوں کے سینوں میں جمع اور محفوظ تھا۔

وے رضی اللہ عنہ از حفاظ حدیث اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دار مکثرین صحابہ است۔ در بادی النظر قریب شش صد حدیث در کتب معتبرہ از احادیث مرفوعہ وے رضی اللہ عنہ مذکور است و فی الحقیقت مرفوعات او از ہزار بدیشتر میتوان یافت (ص ۲۷۳) زیادہ مل سکتی ہے۔

آپ کی مرویات کی ایک اہم خصوصیت جس کی طرف شاہ ولی اللہ صاحب نے توجہ دلائی یہ بھی ہے کہ:

و بعض ابواب حدیث کہ پیش از وے روایت نکرده بودند و فاتح اول آل باب است اور حدیث کے وہ بعض ابواب جن کی آپ سے پہلے روایت نہیں کی گئی۔ اس باب کے بیان کرنے کی اہتداد آپ ہی سے ہوئی۔ (ص ۲۷۳)

چنانچہ اس سلسلے میں شاہ صاحب ممدوح نے خاص طور پر جن احادیث کی لئے معلوم ہوا جو لوگ قرآن کی تحریف یا اس میں کمی بیشی کے قائل ہیں وہ مسلمان نہیں۔ نعمانی

نشان دہی کی وہ یہ ہیں :

- ۱۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حلیہ منورہ اور اوقات شب و روز کے گزران کی کیفیت جو شمائل ترمذی میں مذکور ہے
- ۲۔ نماز مناجات جو نورانیت باطن میں بغایت مؤثر ہے اور جامع ترمذی میں مروی ہے۔

۳۔ نوافل یومیہ ضحیٰ، صلوٰۃ الزوال وغیرہ جو تصوف کا خاص باب ہے اس کی روایت "مسند احمد" میں موجود ہے۔

و از مسائل فتاویٰ و احکام
بسیارے نقل کردہ شد۔
خصوصاً در کتب امام شافعی
اور مصنف عبدالرزاق و در
مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ
حقہ وافرہ مذکور است
(ص ۲۷۴)

۴۔ و در بحث توحید و صفات
زبانے داشت فصیح و آن بحث
در خطبہ فی رضی اللہ عنہ
یافتہ می شود و از میان صحابہ

لہ بندہ در کہتا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے اصحاب کی تصانیف میں امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جتنی روایتیں کی ہیں ان سے بھی زیادہ روایات مذکور ہیں۔

کبار میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ بآں
زبان متفرد است گویا در
باب توحید و صفات از فن
کلام متکلم اول او است و
وے در اکل مقامات از اہل
سنت سنیہ انبیاء و بیرون نہ
رفتہ (ص ۲۷۴)

۵۔ در باب تصوف بحرے بود
بغایت وسیع قال
الجنید رحمہ اللہ شیخنا
فی الاصول و البلاغ علی
المرقظی رضی اللہ عنہ
(ص ۲۷۴)

۶۔ و رسم فصاحت و بلاغت در
خطبہ آوردہ است بحدیث
سابقہ بآن مشغول نمی شدند۔
۷۔ باز در زمان شیخین مشیر در
مسائل دینیہ و وزیر در تفسیر
ملکیہ ایشان بود و ایشان
در تعظیم و توقیر او دور دور
رفتہ و مناقب و فضائل

کبار میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ
وجہہ اس بحث میں اپنے زور بیان
میں متفرد ہیں۔ گویا فن کلام میں جو توحید
و صفات کا باب ہے اس کے پہلے متکلم
امت میں آپ ہی ہیں اور ان مقامات
کے بیان میں انبیاء کی اصل سنت سنیہ
سے آپ نے قدم باہر نہیں رکھا ہے۔
اور علم تصوف کا تو آپ ایک نہایت
وسیع سمندر تھے حضرت
جنید رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ
اصول اور بلاغ میں تو ہمارے شیخ
علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
ہی ہیں۔

خطبات میں فصاحت و بلاغت کا
طریقہ آپ ہی کا جاری کردہ ہے خلفائے
سابقہ اس میں مشغول نہ ہوئے۔
پھر حضرت شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما
کے عہد میں دینی مسائل کے مشیر اور
ملکی تدابیر میں ان کے وزیر رہے اور
یہ حضرات بھی ان کی تعظیم و توقیر بہت
ہی زیادہ کرتے تھے اور ان کے مناقب

اور رضی اللہ عنہ واضح ساختہ اندر
وفضائل خوب کھول کر بیان
کرتے تھے۔ (ص ۲۷۷)

اور شاہ صاحب نے قرۃ العینین میں یہ بھی فرمایا ہے کہ:

اعتماد بر فتاویٰ عبداللہ بن مسعود در غالب حال و بر قضایائے مرتضیٰ در بعض احوال بآں شرط کہ اصحاب عبداللہ بن مسعود روایت کردہ باشند و اثبات نمودہ و بعد ازاں بر تحقیقات ابراہیم نخعی و شعبی و تحریجات ایشان اصل مذہب الیٰ حنیفہ است کہ سبب آں صورت خاص مذہب او پیدا شدہ (ص ۱۷۲)

اکثر حالات میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتاویٰ پر اور بعض حالات میں حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فیصلوں پر اعتماد کرنا بشرطیکہ ان کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تلامذہ نے نقل کیا اور ثابت رکھا ہو۔ بعد ازاں ابراہیم نخعی و شعبی کی تحقیقات و تحریجات کو سامنے رکھنا یہ امام ابو حنیفہ کے مذہب کا اصول ہے جس کی بنا پر ان کے مذہب کی ایک خاص شکل پیدا ہو گئی۔

لہٰذا اس شرط کو ملحوظ رکھنے کی وجہ خود شاہ دلی اللہ صاحب نے یہ بتائی ہے کہ:

اصحاب عبداللہ بن مسعود ثقات و فقہاء اندر و رواۃ حضرت تھی روایت کرنے والے ان کے لشکر کے وہ لوگ ہیں جن کا حال ظاہر نہیں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہی حدیث صحت کے وجہ پہنچتی ہے کہ جس کہ ان سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصحاب روایت کرتے ہیں۔

ثقات و فقہاء اندر و رواۃ حضرت تھی روایت کرنے والے ان کے لشکر کے وہ لوگ ہیں جن کا حال ظاہر نہیں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہی حدیث صحت کے وجہ پہنچتی ہے کہ جس کہ ان سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصحاب روایت کرتے ہیں۔

اس سے اندازہ لگائیے کہ مذہب حنفی پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد سب سے زیادہ جس کا اثر ہے وہ حضرت مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ہیں۔

واضح رہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تمام فقہی مسائل مستقل کتاب کی صورت میں علیحدہ بھی مدون کر دیے گئے ہیں۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی اپنے فتاویٰ میں رقمطراز ہیں:

لالکائی از محدثین اہل سنت مذہب محدثین اہل سنت میں سے لالکائی نے علی مرتضیٰ را در فقہیات از کتاب مسائل فقہ میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کو کتاب الطہارت جمع کردہ کتابے مستقل در فقہ سے لیکر کتاب القضاء تک جمع کر کے ایک مستقل ساختہ است۔ ہر کسے کہ خواہد بطرف آں کتاب رجوع کند شخص چاہے اس کتاب کی طرف رجوع کرے گنا حافض شمس الدین الذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں محدث لالکائی کا ترجمہ

لکھا ہے جو ان الفاظ میں شروع ہوتا ہے۔ اللالکائی الامام ابو القاسم مہدیہ اللہ بن الحسین بن منصور الطبری الرازی الحافظ الفقیہ الشافعی محدث بغداد۔ انھوں نے بہت سے محدثین سے حدیث کا سماع کیا تھا۔ فقہ کی تعلیم ابو حامد اسفرائینی سے پائی تھی۔ محدث خطیب بغدادی حدیث میں ان کے شاگرد تھے۔ رمضان سنہ ہجری میں وفات پائی۔ ان کی تصنیف میں اس کتاب کے علاوہ جس کا ذکر شاہ عبدالعزیز صاحب نے کیا ہے ایک کتاب السنہ ہے دوسری رجال صحیحین پر ان کی ایک تالیف ہے۔

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی احادیث مرویہ کو جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے لکھا۔ حدیث کی معتبر کتابوں میں علماء محدثین نے جمع کر دیا ہے۔ کتب حدیث کا ایک مستقل عنوان ہے "مسند" اس نام سے حدیث کی جتنی کتابیں جمع کی گئی ہیں ان میں ہر صحابی کے نام کے تحت اس صحابی کے تمام مرویات کو بلا لحاظ مضمون یکجا ذکر کر دیا جاتا ہے۔ مسانید اسلام میں بکثرت مرتب ہوئیں۔ سیکڑوں ہزاروں کتابیں اسی عنوان کے تحت لکھی گئیں مگر ان میں سب سے مبسوط کتاب امام شیخ الاسلام ابو عبد الرحمن بقی بن مخلد القرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ المتوفی ۳۴۶ھ کی "مسند کبیر" ہے۔ حافظ ابن حزم اندلسی کا بیان ہے کہ اس مسند میں تیرہ سو سے زائد صحابہ کی مرویات درج ہیں اور پھر ہر صحابی کی حدیث ابواب فقہیہ پر بھی مرتب ہیں۔ اس اعتبار سے یہ کتاب "مسند" بھی ہے اور مصنف بھی۔ اس خوبی کی حامل کسی اور مصنف کی کتاب نہیں۔ شیخ الاسلام بقی بن مخلد علم حدیث میں بخاری و مسلم کے ہم سر تھے۔ امام ابن حزم نے تصریح کی ہے کہ کان بقی ذا خاصۃ من احمد بن حنبل و احمد بن حنبل و جار یافی مضمار بطریق خاص حاصل تھا یہ بخاری و مسلم نے البخاری و مسلم و النسائی نے اور نسائی کے ہم عنان ہیں۔

۱۔ ملاحظہ ہو کشف الظنون "ذیر عنوان مسند امام بقی بن مخلد" خاکسار کہتا ہے کہ اسی صفت کی حامل شیخ الاسلام بقی بن مخلد کے معاصر امام ابن جریر طبری کی تہذیب الآثار بھی ہے لیکن افسوس ہے کہ یہ کتاب مصنف کی زندگی میں تمام نہ ہو سکی شیخ الاسلام بقی کی مسند تو آج دنیا میں ناپید ہے لیکن امام ابن جریر طبری کی کتاب کے کئی حصے زیور طبع سے آراستہ ہو کر شائع ہو چکے ہیں۔ ۲۔ ملاحظہ ہو تذکرۃ الحفاظ از امام ذہبی ترجمہ بقی بن مخلد۔

حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ دو سو اسی سے زائد شیوخ حدیث سے انھوں علم حدیث اخذ کیا اور طلب حدیث میں مشرق و مغرب کو پے سپر کیا تھا۔ حافظ ذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" میں ان الفاظ میں ان کو خراج عقیدت پیش کیا ہے "وکان اماماً علماً قدوةً مجتہداً لا یقلد احداً ثقةً حجةً صالحاً عابداً متہجداً اذا ہا، عدیہم النظر فی زمانہ متاخرین محدثین جو عام طور پر کسی صحابی کی مرویات کی تعداد بیان کیا کرتے ہیں وہ انھیں کی مسند کی مرویہ احادیث کی تعداد ہوتی ہے۔

حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویہ احادیث مرفوعہ کی تعداد شاہ ولی اللہ صاحب نے چھ سو کے قریب بتلائی ہے۔ حافظ ابن جوزی کی کتاب "ملقح فہوم اہل الاثر فی عیون التاریخ والسیر" کا جو نسخہ اس وقت ہمارے پیش نظر ہے اور جس کو سید محمد یوسف ٹونکی نے اپنی تصحیح و اہتمام سے جیدہ سنی پریس دہلی میں طبع کرا کر شائع کیا ہے اس میں اس قریب کی تعبیریں پانچ سو چھتیس کی ہیں۔ چنانچہ اصحاب المشین کے زیر عنوان اس کی عبارت یہ ہے:

علی بن ابی طالب خمس مائت حدیث
علی ابن ابی طالب کی پانچ سو چھتیس روایات
دستہ و ثلاثون وقال ابو نعیم
ہیں اور حافظ ابو نعیم اصفہانی نے کہا
الاصفہانی اسناد اربع مائت و نیفا
ہے کہ چار سو سے زائد متون حدیث
من المتون سوی الطرق وقال
ان سے مروی ہیں طرق و اسانید کا اس
البیروقی الذی حفظ لنا عنہ نحو
میں شمار نہیں اور حافظ برقی کہتے ہیں کہ
مائت حدیث (ص ۱۸۴)
جو حدیثیں ہمارے پاس ان کی محفوظ ہیں
وہ دو سو کے قریب ہیں۔

حافظ ابن جوزی نے تعداد حدیث کا سارا باب اسی مسند بقی بن مخلد سے

نقل کیا ہے البتہ اس سلسلہ میں وہ مزید اضافہ حافظ ابو بکر برقی کی تاریخ اور حافظ ابو نعیم اصفہانی کی کتاب سے کرتے جاتے ہیں جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویہ احادیث کی تعداد بیان کرتے ہوئے بھی انھوں نے کیا ہے۔

ہماری تحقیق کے مطابق "تالیف میں ستہ و ثلاثون" کے الفاظ غلطی سے طبع ہو گئے ہیں۔ اصل میں "ستہ و ثمانون" ہیں۔ یہ خدا ہی کو معلوم ہے کہ اصل مخطوطہ منقول عنہا میں بھی یہ غلطی تھی یا مطبوعہ نسخہ ہی میں واقع ہوئی ہے۔ حافظ ابن حزم کے پیش نظر بھی "مسند بقی" ہی تھی اور انھوں نے بھی ایک مستقل رسالہ اس موضوع پر قلمبند کیا ہے جو ان کی کتاب جامع السیرۃ کے ساتھ آخر میں طبع ہو گیا ہے۔ اس میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی مرویات کی تعداد ۵۸۶ ہی مرقوم ہے اور یہی تعداد انھوں نے اپنی دوسری کتاب "الفصل فی الملل والایواء والنحل" میں لکھی ہے۔ چنانچہ ان کی عبارت حسب ذیل ہے:

و لہم پر وعن علی الا خمس مائۃ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پانچ سو صحابہ
وستہ و ثمانون حدیثا مسنداً مسند حدیثیں مروی ہیں جن میں پچاس کے
یصلح منها نحو خمسين وقد عاش قریب صحیح ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد
وسلما زید من ثلاثین سنۃ تیس سال سے زیادہ زندہ رہے صحابہ
و اکثر لقاء الناس ایاہ و حاتم کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی بڑی جماعت کے
الما عندک لذہاب جمہور گزر جانے کے سبب لوگ کثرت سے آپ
الصحابة رضی اللہ عنہم و کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے پاس
کثر سماع اہل الافاق جو علم تھا اس کی ان کو ضرورت پڑی چنانچہ
مندمرۃ بصفین و اعواماً کثرت سے اہل آفاق نے آپ سے حدیثیں

بالکوفة و مرۃ بالبصرة سنیں کبھی صفین میں اور کئی مرے کوفہ میں
و المدینۃ ر ج ۴۔ ص ۱۳۷ اور کبھی بصرہ اور مدینہ میں۔

حافظ ابن حزم نے جو تعداد بیان کی ہے یہی تعداد امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء اور علامہ خزر جی کی کتاب خلاصۃ تہذیب الکمال میں مرقوم ہے خزر جی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان میں بیس حدیثیں متفق علیہ ہیں یعنی امام بخاری و مسلم دونوں نے ان کو روایت کیا ہے اور نو حدیثوں کی روایت صرف بخاری نے کی ہے اور پندرہ کی صرف مسلم نے۔ غالباً اسی نقطہ نظر سے ابن حزم نے صحیح احادیث کی تعداد پچاس کے قریب لکھی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ تعداد صحیح لذاتہ کی ہے جو محدثین کے نزدیک صحیح کی سب سے عالی قسم شمار کی جاتی ہے ورنہ ثبوت کے لحاظ سے حدیث کی چار قسمیں ہیں (۱) صحیح لذاتہ (۲) صحیح لغیرہ (۳) حسن لذاتہ (۴) حسن لغیرہ۔ یہ چاروں قسمیں بالاتفاق مقبول ہیں اور حجت مانی جاتی ہیں۔ پھر یہ بھی واضح رہے کہ یہ تعداد ان احادیث کی ہے جو مسند بقی بن مخلد میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہیں۔ ان کی جملہ مرویات کی یہ تعداد نہیں۔ بعض لوگوں کو اس سلسلہ میں یہ غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ "مسند بقی" میں ہر صحابی کی مرویات کی جو تعداد مذکور ہے اس سے زیادہ اس صحابی سے اور کچھ مروی نہیں۔ یہ محض غلط ہے۔ حافظ ابن جوزی "تلیق" میں لکھتے ہیں:

وقد کان ابو عبد الرحمن البقی بن مخلد نے اپنی مسند البقی بن مخلد جمع فی مسند میں جمہور صحابہ کی حدیثیں جمع کی ہیں چنانچہ حدیثنا: شذیرا عن جمہور اسی بنا پر ہر صحابی نے جو حدیثیں روایت کی ہیں ان میں بعض کی تعداد اسی کتاب الصحابة قدما منہ بعض روایت الاحادیث الذی یرویھا کو پیش نظر رکھتے ہوئے بیان کر دی گئی ہے

کل صحابی فتوہ بعض اس سے بعض متاخرین اس وہم میں مبتلا
 الدتاخرین ان الصحابی لا یروی ہو گئے ہیں کہ یہ صحابی بس اتنی ہی حدیثیں
 سوی ذلک دلیس کما توہم روایت کرتے ہیں حالانکہ درحقیقت ایسا نہیں
 وانما هو قدر ما وقع الی جیسا کہ ان کو وہم ہوا ہے بلکہ یہ تو روایت کی اس
 المصنف (ص ۱۸۴) مقدار کا بیان ہے جو مصنف کو پہنچی ہے۔

مسند بقی تو اس جمل ناپید ہے لیکن جو مسانید طبع ہو کر شائع ہو چکی ہیں وہ یہ ہیں :-
 ۱۔ مسند امام ابو داؤد سلیمان بن داؤد طرابلسی المتوفی ۳۰۸ھ جس کا شمار
 اسزم کے قدیم ترین مسانید میں ہے بلکہ بعض حضرات اس باب میں سب
 سے پہلی تصنیف انھیں کی مسند کو خیال کرتے ہیں۔ یہ مسند دائرۃ المعارف
 حیدر آباد دکن سے ۱۳۲۱ھ میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ اس میں حضرت
 علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویات صفحہ ۱۵ سے صفحہ ۲۰۴ تک درج ہیں
 مگر درمیان میں کچھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیثیں بھی آگئی ہیں۔ آج
 کل اس کتاب کی مسند علی کی احادیث پر فرزند عزیز محمد عبد الشہید سلمہ اللہ
 تعالیٰ امام سخاوی کی ترتیب مسند طرابلسی کے ایک قلمی نسخے کی مدد سے جس
 کا ایک حصہ ان کو دستیاب ہو گیا ہے کام کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جلد ان کو
 اس کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

۲۔ مسند امام عبد اللہ بن زبیر حمیدی المتوفی ۲۱۹ھ یہ کتاب دو
 جلدوں میں مجلس علمی کراچی نے شائع کی۔ ہر اور اس کی تصحیح و تحشیہ کا کام
 مولانا حبیب الرحمن صاحب محدث اعظمی نے انجام دیا ہے۔ مگر اس مسند
 میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہت ہی کم روایتیں مذکور ہیں جن کی کل تعداد

۳۔ مسند امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ جو اس وقت موجودہ تمام
 مسانید میں سب سے زیادہ ضخیم ہے اور باریک ٹاپ پر چھ ضخیم جلدوں
 میں پہلے مصر اور پھر بیروت سے شائع ہو چکی ہے۔ اس مسند میں حضرت
 علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی روایات ص ۷۵ سے ۱۶۰ پر ختم ہوتی ہیں۔

”صحاح ستہ“ میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی روایات کی تعداد
 تین سو بائیس ہے جن کو ان سے ایک سوترین صحابہ و تابعین نے نقل کیا ہے۔
 ان سب احادیث کی فہرست حافظ جمال الدین مزی نے اپنی گرانقدر تصنیف
 ”تحفۃ الاشراف بمعرفة الاطراف“ میں راویوں کے اسماء کو حروف تہجی پر مرتب
 کر کے پیش کر دی ہے اور ہر حدیث کے بارے میں نشاندہی کر دی ہے کہ
 صحاح ستہ کے کس باب میں کس راوی کی سند سے وہ مروی ہے۔

ان کے علاوہ حدیث کی بکثرت قلمی اور مطبوعہ کتابیں ہیں جن میں حضرت علی
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بکثرت روایتیں پائی جاتی ہیں اور عین ممکن ہے کہ ان کتابوں
 میں بعض وہ حدیثیں بھی موجود ہوں جو ”مسند بقی“ میں نہیں ہیں۔

”صحاح ستہ“ کی بزم کے رکن رکن امام احمد بن شعیب نسائی المتوفی ۳۰۳ھ
 جو امام بقی کی طرح امام بخاری و امام مسلم کے ہم پایہ ہیں بلکہ بعض محققین حفاظ حدیث تو ان
 کو امام مسلم پر بھی فوقیت دیتے ہیں۔ انھوں نے مستقل طور پر حضرت علی رضی اللہ
 تعالیٰ عنہ کی حدیثوں کو جمع کرنے پر توجہ دی اور ان کو ایک علیحدہ کتاب میں مدون
 کر دیا جس کا نام ہے ”مسند امیر المؤمنین علی بن ابی طالب“۔

اسی دور کے ایک اور بزرگ حافظ علامہ ابو یوسف یعقوب بن شیبہ
 سدوسی بصری نزہیل بغداد المتوفی ۲۶۲ھ ہجری ہیں۔ جو شیخ الاسلام بقی بن مخلد
 امام محمد بن جریر طبری اور امام نسائی سب سے عمر اور طبقے میں بڑے تھے انھوں

نے بھی حدیث میں ایک بہت مسند لکھی تھی جس کا تعارف حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان الفاظ میں کرایا ہے

ما صنف مسند احسن اس سے بہتر مسند تصنیف نہیں ہوئی لیکن
منہ و لکنہ ما اتمم وہ اس کو مکمل نہ کر سکے

اور اپنی دوسری مشہور تصنیف "سیر اعلام النبلاء" میں اس "مسند" کا ذکر ان لفظوں میں کرتے ہیں

المسند الكبير العديم النظير مسند كبير عديم النظير معتل جس کی مسانید
المعلل الذي تم من مسانيد میں سے صرف تیس جلدوں کے قریب
مخوم ثلاثين مجلداً مکمل ہو سکیں۔

ولوكمل لجاؤ في مائة مجلداً ورنہ اگر یہ کتاب پایہ تکمیل کو پہنچ جاتی تو
(ج ۱۲ ص ۲۷۶) سو جلدوں میں آتی۔

"معتل" کا مطلب یہ ہے کہ احادیث کی اسانید کے ساتھ ان کے علل پر بھی تفصیل سے کلام کیا جائے۔ محدثین نے تصریح کی ہے کہ کوئی معتل کتاب پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی کیونکہ اس کے ختم ہونے سے پہلے مصنف کی عمر ختم ہو جاتی ہے۔ یعقوب بن شیبہ بڑے پایہ کے محدث تھے۔ حافظ ذہبی نے لکھا ہے وہ کان من کبار علماء الحديث۔ حق تعالیٰ نے ان کو دولت علم کے ساتھ دولت دیوی سے بھی سے بھی نوازا تھا۔ چنانچہ "مسند" کی تبیض پر دس ہزار اشرفیاں صرف کیں ان کی حویلی میں چالیس لحاف ان بديعة نویسوں کے لئے تیار رکھے رہتے تھے جو اس خدمت کو انجام دینے کے لئے رات ان کے یہاں ہی بسر کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ اس مسند کی "مسند ابی ہریرہ" کا حصہ جو مصر میں لوگوں کی نظر سے گزرا وہ دو سو جز مشتمل تھا۔ اس کے علاوہ مسند یعقوب کے جو اجزاء مبیضہ ہو کر منظر عام پر آئے۔ وہ سائید عشر

مبشرہ مسند ابن مسعود، مسند عمار، مسند عباس اور بعض موالی بنی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مسانید ہیں۔ ان میں صرف علی کریم اللہ وجہہ کی مسند پانچ جلدوں پر مشتمل تھی۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیث نبوی کی روایت میں جس احتیاطوں کو مدنظر رکھتے تھے۔ امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ "میں ان کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں :-

۱۔ وكان اماؤا العامة محباً في الاخذ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام تھے عالم بحیث انه يستحلف من يحد بالحديث تھے۔ اخذ حدیث (یعنی روایت قبول کرنے میں) احتیاط برتتے تھے چنانچہ جو شخص بھی آپ کے سامنے کوئی حدیث بیان کرتا تو پہلے اس سے قسم لیتے البتہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت اس اصول سے مستثنیٰ تھی کہ آپ ان کی روایت بغیر حلف کے بھی قبول فرما لیتے تھے۔

۲۔ عن علي قال حدثنا الناس حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، لوگوں
بما يعرفون ودعوا ما ينكرون کو وہ حدیثیں بیان کرو جو جانی پہچانی ہوں اور وہ
اتحبون ان يكذب زبیاں کرو جن سے وہ بدکیں۔ کیا تم یہ چاہتے
اللہ در سولہ ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا جائے۔
حضرت مدروح کے اس قول کو نقل کرنے کے بعد امام ذہبی نے یہ انادہ فرمایا ہے :-

نقد زجراً لا مام علی رضی اللہ عنہ اب دیکھئے، بلا مشتبہ امام علی رضی اللہ عنہ عن رواية المنكر وحش تعالیٰ عنہ نے منکر (اپنی پری) روایات کے
علی المتحدیث بالمشهور و بیان کرنے سے سختی سے روک دیا اور
هذا اصل كبير في الكف مشہور روایت کے بیان کرنے کی ترغیب

لہ ان ساری تفصیلات کے لئے "تذکرۃ الحفاظ" امام ذہبی میں ان کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

عن بث الاشياء الواهية دلائل اور یہ فضائل، عقائد و مواظبات کے
والمنكر من الاحاديث في بارے میں وہی اور منکر روایات کے
الفضائل والعقائد والوقائع بیان کرنے سے رک جانے کا بڑا کلاؤ
ولاسبيل الى معرفة هذا اصول ہے اور منکر کی غیر منکر سے شناخت
من هذا الامعان في معرفة جب تک فن رجال میں گہری نظر نہ ہو
الرجال - نہیں ہو سکتی۔

۳۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان چند صحابہ میں شامل ہیں جن کو عہد رسالت میں حدیث نبوی کی کتابت کا شرف حاصل ہوا تھا۔ چنانچہ حافظ ذہبی نے نقل کیا ہے:-

عن علي قال ما كتبنا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم الا القرآن وما في هذا من الضعيف - حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ علیہ وسلم سے سوا قرآن کریم کے اور جو کچھ اس صحیفہ میں ہے (جو تمہارے سامنے ہے) اور کچھ نہیں لکھا۔

اس صحیفہ کا ذکر حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ یہ حدیثیں چند فقہی احکام سے متعلق تھیں۔ حافظ ذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب بہت ہیں اور میں نے ایک مستقل کتاب آپ کے لئے فضائل اور مناقب پر لکھی ہے جو ایک پوری جلد میں ہے اور اس کا نام ہے "فتح المطالب فی مناقب علی ابن ابی طالب"۔

احادیث نبویہ کے مطالب و معانی کے سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد بھی آپ زر سے لکھنے کے قابل ہے: اذا حدثتم عن رسول الله جب تمہارے سامنے آنحضرت

صلى الله عليه وسلم حديثاً وظنوا به الذي هو اهدى والذى هو اتقى (مسند احمد بن حنبل ر ج ۱ - ص ۱۳) بتاتے ہوں۔

محدثین نے اختلاف روایت کے تحت ترجیح کے بہت سے اصول بیان کئے ہیں، چنانچہ حافظ ابو بکر حازمی نے اپنی مشہور کتاب "الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الآثار" میں پچاس کے قریب وجوہ ترجیحات ذکر کی ہیں۔ یہ کتاب مصر اور ہندوستان دونوں جگہ طبع ہو چکی ہے۔ اس میں پچاسواں ضابطہ یہ بتایا ہے کہ جب کسی ایسے مسئلے میں دو مختلف حدیثیں وارد ہوں کہ جن کا تعلق قضایہ سے ہو تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت کردہ حدیث کو ترجیح دی جائے گی۔

اہل سنت میں مذہب حنفی کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خصوصی نسبت ہے۔ یہ مذہب آپ کے انفاس قدسیہ کی خصوصی برکات کا حامل ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے جد امجد ایک بار اپنے صغیر السن صاحبزادہ جناب ثابت علیہ الرحمہ کو جو امام صاحب کے والد ماجد ہیں لے کر خدمت مرتضوی میں حاضر ہوئے تو حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے اور ان کی اولاد کے حق میں برکت کی خصوصی دعا فرمائی تھی چنانچہ یہ اسی دعا کی برکت کا اثر ہے کہ فقہ حنفی کو چار دانگ عالم میں غلبہ نصیب ہوا اور آج بھی اسلامی دنیا کی غالب اکثریت اسی مذہب کی پیروں ہے۔ فقہ مرتضوی کا اصل ترجمان مذہب حنفی ہی ہے۔ دور کیوں جائیے۔ نماز کے مشہور مسائل

آہستہ سے آئین کہنا۔ رکوع میں جاتے ہوئے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین نہ کرنا۔ زیر ناف ہاتھ باندھنا، گاؤں میں نماز جمعہ وعیدین کا نہ پڑھنا تراویح کی بیس رکعت۔ ان تمام مسائل میں فقہ حنفی میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہی کے فتاویٰ پر عمل ہے۔

صحیح مسلم کے مقدمہ میں مغیرہ بن مقسم ضبی علیہ الرحمہ سے جو کوفہ کے مشہور فقہاء و محدثین میں ہیں اور امام حنفیہ کے استاد بھی۔ مروی ہے کہ

لم یکن یصدق علی علیؑ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویات فی الحدیث الا من اصحاب میں صرف وہی روایت درست سمجھی جاتی تھی جس کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے تھے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اسی مسند علمی کے صدر نشین ہیں جس کا سلسلہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصحاب سے عہد بعد آپ تک منتہی ہوا۔ اسی لئے مذہب حنفی میں حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو علم منتقل ہوا وہ بالکل صحیح طریقہ پر منتقل ہوا، پھر مذہب حنفی میں جس کثرت سے اولیا ہوئے ہیں دوسرے مذاہب میں نہیں ہوئے۔ تمام اولیاء اللہ کے سلاسل حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی پر جا کر ختم ہوتے ہیں۔

امام حافظ شمس الدین ذہبی نے جو علم تاریخ اور اسماء الرجال کے ایک غنہ خیال کے جاتے ہیں۔ اپنی مشہور بے نظیر کتاب سیر اعلام النبلاء میں تصریح کی ہے کہ فافقہ اہل الکوفۃ علی اہل کوفہ کے سب سے بڑے فقیہ علی اور ابن مسعود، وافقہ اور ابن مسعود میں، اور ان دونوں کے اصحاب اصحابہما علقمہ، وافقہ میں سب سے بڑے فقیہ علقمہ اور علقمہ

اصحابہ ابراہیم، وافقہ اصحاب ابراہیم حماد ابو حنیفہ، وافقہ اصحابہ ابو یوسف، وانتشر اصحاب ابی یوسف فی الافاق، وافقہم محمد، وافقہ اصحاب محمد ابو عبد اللہ الشافعی، رحمہم اللہ تعالیٰ میں سب سے بڑے فقیہ محمد ہیں۔ اور محمد کے اصحاب میں سب سے بڑے ابو عبد اللہ شافعی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ان سب پر رحمتیں نازل ہوں۔

ہمارے محترم دوست سید جمیل احمد نقوی صاحب کی یہ بڑی سعادت ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کو یہ توفیق بخشی کہ حضرت مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی جتنی روایت کردہ احادیث، حدیث کی مشہور و متداول کتاب مشکوٰۃ المصابیح میں موجود ہیں ان سب کو انھوں نے ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ یہ کام علامہ کے کرنے کا تھا۔ سید صاحب عالم نہیں مگر توفیق حق ہے جس کو ارزانی ہو جائے۔ سچی ہے داؤد اور قابلیت شرط نیست بلکہ شرط قابلیت داؤد است

وَمَا هِيَ كَقَدْرِ تَعَالَىٰ اِنْ كَانَتْ اِسْ خِدْمَتِ كُوْقُولِ فَمَا كَرِاسِ پُرَا جَرِ جَزِيلِ عَطَا فَرَمَاتِ۔ آمین وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلًا وَاٰخِرًا وَصَلَّى اللّٰہُ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلَّم۔

محمد عبد الرشید نعمانی

۱۰ ذی الحجہ ۱۴۰۵ھ

آج

ایک ایسا ہی افسانہ بینا میں کی نئی شکل و صورت ہے۔
اُسے تقویٰ اور تقدس کا لباس پہنا یا گیا ہے۔
اور مقصد — سبط رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور
جگر گوشہ بتوں کی کردار کشی ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد عبد الرشید نعمانی مدظلہ العالی پر الشریعہ
تحقیق (علیٰ اساس الحدیث والایمان) کی راہیں سہل کیں

اور

انہوں نے احادیث اور مستند حوالوں کی بنیادوں پر یزید کی حقیقی شخصیت کو اپنی تصنیف

یزید کی شخصیت — اہل سنت کی نظر میں

پیش کر دیا ہے۔ یہ کتاب تحقیق اور حمیت ایمانی کا مرج البحرین ہے۔
کتاب کا نیا ایڈیشن کئی اضافوں کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔

قیمت — روپے

مکتبہ اہل سنت و جماعت ۳۸۶ قائم آباد - کراچی ۱۹

بسم الله الرحمن الرحيم

SEMINAR ON
Islam and Orientalists
21 st to 23rd February, 1982
DARUL MUSANNIFEEN (Shibli Academy)
AZAMGARH (INDIA)

Ref. No. _____

Date _____

الإسلام المستشرق

سَنُورٌ عَلَمِيَّةٌ

٢١-٢٢ فبراير ١٩٨١م الموافق ٢١-٢٢ ربيع الثاني ١٤٠٢ هـ
 از الحنفين (الادبية شيد) اعظم كره (الفند)

الاشارة:

التاريخ وهو غيبسليم

[illegible]

عانت علیٰ نوح، براسمہ ہر قاری

از یک شهر در اروپا

وہی علی

۷۵۲
۱۵ فروردین

شہداء کربلا پر افتراء

کسی قوم کی تاریخ اس سے چھین لی جائے گی کہ وہ قوم اپنے امتیاز اور اپنی شناخت سے محروم ہو جائے گی۔
○ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی شخصیت کو داغ دار بنایا گیا۔

○ حضرت حسینؑ کی شہادت کو "خروج" اور "بغاوت" قرار دیا گیا۔
○ شیخ الحدیث مولانا محمد عبد الرشید نعمانی مدظلہ کی کتاب
"شہدائے کربلا پر افتراء"

○ حدیث، تاریخ اور تحقیق کی روشنی میں اس فتنہ کا مدلل جواب ہے۔
○ اس کتاب نے ناہیبت کے یوانوں میں سکوت پیدا کر دیا ہے۔
○ اس کتاب کے مطالعے سے آپ دشمنان اہل بیت کی تاریخی اور علمی
تحریروں سے آگاہی حاصل کر سکیں گے۔

○ یہ کتاب داستان کربلا اور نقشب حسینؑ ہی نہیں بلکہ اس سے شہادت کی قدر و
قیمت آپ پر روشن ہوگی اور آپ اپنی تاریخ کے ایک نہایت نازک موڑ کے
مطالعے سے کامگار و کامران گزر سکیں گے۔

○ اس کتاب کے بارے میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے فاضل مصنف کے
نام اپنے مکتوب گرامی مورخہ ۲۷ شعبان ۱۴۱۷ھ میں فرمایا ہے۔

○ "شہدائے کربلا پر افتراء" آپ کی ایک بڑی خدمت ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل بیت علیہم السلام
کی طرف سے اور حضرت نبویہ کی طرف سے آپ کو بہترین جزا عطا فرمائیں اور اس کی
ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ ایک محقق فاضل کا قلم جس کو اللہ تعالیٰ نے حیات دینی
سنگت و اعزاز کی دولت بھی عطا فرمائی ہے اس موضوع پر اٹھا لکھا ہے اللہ تعالیٰ ہی کو شکر ہے۔
ناشر: مکتبہ اہل سنت و جماعت ۳۸۶ قائم آباد۔ کراچی۔

شہدائے کربلا پر افتراء

۱۱۳۳ھ
مکتبہ اہل سنت و جماعت
قائم آباد

